- پاکستان کیوں بنا ــــ کیسے بنا؟
- پاکستان کیوں ٹوٹا ــــ کیسے ٹوٹا؟
- اب ٹوٹا تو . . . .

پاکستان کی تاریخ کا حقیقت پسندانہ تجزیہ
اندھیروں میں اُمید کی ایک کرن
لفظ لفظ میں ــــ وطن کی محبت
سطر سطر میں ــــ اِیمان کی چاشنی
عمل کا پیغام . . . .

ڈاکٹر اسرار احمد

کی تالیف

"استحکامِ پاکستان"

سفید کاغذ' عمدہ طباعت' دیدہ زیب سرورق' صفحات 175
قیمت -/60 روپے

اس کتاب کا مطالعہ خود بھی کیجئے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیجئے

شائع کردہ :
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور (فون : 03-5869501)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : ۴۹
شمارہ : ۱۰
رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
اکتوبر ۲۰۰۰ء
فی شمارہ -/۱۰
سالانہ زرِ تعاون -/۱۰۰

ادارۂ تحریر
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات، بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' یورپ' جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق' الجزائر' مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت : 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700 فون : 03-02-5869501
فیکس : 5834000 ای میل : anjuman@brain.net.pk
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67-گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور
فون : 6366638-6316638 فیکس : 6305110
پبلشر : ناظم مکتبہ مرکزی انجمن' طابع : رشید احمد چودھری مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال ـــــــــــــــ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ ظروف و احوال ـــــــــــــــ ۵

ملکی، ملی اور بین الاقوامی حالات پر تبصرہ

امیر تنظیم اسلامی کے خطابات جمعہ کے پریس ریلیز

☆ تذکرہ و تبصرہ ـــــــــــــــ ۹

قیام پاکستان کے مخالف علماء کے موقف کا

حقیقت پسندانہ جائزہ اور منصفانہ تجزیہ

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ توحیدِ عملی (۵) ـــــــــــــــ ۴۳

فریضہ اقامت دین سے ربط و تعلق — ڈاکٹر اسرار احمد

☆ کتاب نامہ ـــــــــــــــ ۵۴

قیام اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر (۴)

ڈاکٹر عبد اللہ سفر الحوالی

☆ منہاج المسلم (۹) ـــــــــــــــ ۶۷

قیامت پر ایمان (۲) — علامہ ابو بکر الجزائری

☆ خطوط و نکات ـــــــــــــــ ۷۵

○ یوپی (بھارت) سے مولانا ذکاء اللہ ندوی کا مراسلہ

○ کراچی سے اقبال احمد صدیقی کا مکتوب

☆ لمحہ فکریہ ـــــــــــــــ ۷۸

زندگی اور موت کا مسئلہ — حافظ عاکف سعید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض احوال

"موجودہ فوجی حکومت معیشت کی بحالی اور احتساب کے عمل میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ لہٰذا فوجیوں کو جلد از جلد جمہوری سیٹ اپ قائم کر کے واپس چلے جانا چاہئے ورنہ عوام کے دلوں میں فوج کی جو رہی سہی عزت ہے وہ بھی جاتی رہے گی"۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دار السلام باغ جناح لاہور میں خطاب جمعہ کے اختتام پر کہی۔

امیر تنظیم نے فرمایا کہ ملکی حالات میں ۱۲/اکتوبر کے بعد جو بظاہر سکون کی کیفیت تھی وہ اب ختم ہونے کو ہے اور حالات بڑی تیزی سے ہمہ جہت افراتفری کی طرف جا رہے ہیں۔ مہنگائی برداشت کی حدوں کو پھلانگ چکی ہے اور عوام کا ضبط جواب دینے کو ہے۔ سیاسی سطح پر بھی بڑی ہلچل کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔ قاضی حسین احمد صاحب نے پلاٹ کیس میں فوجیوں کے ملوث ہونے کا عندیہ دھماکہ خیز انداز میں دیا ہے۔ اسی طرح طاہر القادری نے حکومت کو اپنے ۱۲ نکات پر ایک ماہ میں عملدر آمد کا الٹی میٹم دے دیا۔ دوسری طرف کلثوم لیگ ۱۲/اکتوبر کو یوم سیاہ منانے پر تلی ہوئی ہے۔ ان حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہنگائی سے تنگ آکر عوام اگر باہر نکل آئے تو سیاسی قوتوں کے ساتھ مل کر یہ لاوا ایک آتش فشاں کی صورت میں پھٹے گا جس کی زد میں آکر سب کچھ ختم ہو جائے گا۔

فلسطین کی تازہ ترین صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اگرچہ اسرائیلی وزیر اعظم ایہود بارک نے کچھ نرمی کا اظہار کرتے ہوئے یروشلم کو فلسطین اور اسرائیل کا مشترکہ دار الحکومت بنانے پر رضامندی ظاہر کی ہے لیکن گنبد صخرہ کو فلسطین کی تحویل میں دینے کا مطالبہ چونکہ انہوں نے رد کر دیا ہے لہٰذا یہ مسئلہ جوں کا توں ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہودی دراصل اس جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جس فارمولے کے تحت فلسطین اور اسرائیل کی تقسیم ہوئی اس کے مطابق اس پر مسلمانوں کا حق ہے۔ انہوں نے کہا اسرائیلی وزیر اعظم کی مشترکہ دار الحکومت بنانے کی تجویز کو مذہبی یہودی کبھی تسلیم نہیں کریں گے اور اس بات کا امکان موجود ہے کہ خود یہودیوں میں اس مسئلے پر پھوٹ پڑ جائے۔ دوسری طرف بیت المقدس کے معاملے میں تمام عرب ممالک متحد ہو گئے ہیں اور وہ بیت المقدس سے کسی قیمت دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ چنانچہ گنبد صخرہ پر اسرائیلی وزیر اعظم کی ہٹ دھرمی کے باعث اس علاقے میں قیام امن کے امکانات اب بالکل معدوم ہو گئے ہیں۔ اور ایک بڑی جنگ کا خطرہ سروں پر منڈلا رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

میاں شریف اور ان کے خاندان کی خدمت میں ایک مخلصانہ مشورہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے حسب ذیل خط میاں محمد شریف کو ۲۰ ستمبر کو بذریعہ فیکس ارسال کیا تھا:

"محترم میاں صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مسلم لیگ کے دوسرے دور حکومت کے دوران آپ نے متعدد بار میرے پاس تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائی۔ ان ملاقاتوں میں جو وعدے ہوئے تھے اور جن کے ایفاء کی نوبت نہ آسکی اس وقت ان کا کوئی ذکر مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ فی الوقت آپ کی خدمت میں صرف یہ مخلصانہ مشورہ پیش کرنا مقصود ہے کہ پاکستان اور اسلام کے مستقبل کی خاطر آپ حضرات مسلم لیگ میں نئے انتخابات کرا کے پاکستان کی خالق جماعت میں جمہوری اور مشاورتی کلچر کا سنگ بنیاد رکھ دیں۔ تاکہ اس طرح پاکستان میں صحت مند سیاست کی داغ بیل پڑ سکے۔

ان شاء اللہ العزیز' یہ اقدام پاکستان اور اسلام کے لئے تو بابرکت ہو گا ہی خود آپ حضرات کیلئے بھی مفید نتائج کا حامل ہو گا۔

آپ کے علم میں ہے کہ میں نہ انتخابی سیاست کے میدان کا کھلاڑی ہوں' نہ ہی کشاکش اقتدار میں کسی کا حلیف یا حریف ہوں۔ میرا آپ کو یہ مشورہ خالصتاً نبی اکرم ﷺ کے فرمان مبارک "الدین النصیحۃ" کی تعمیل کے لئے ہے۔

چند ہفتے قبل میں نے آپ سے ملاقات کے لئے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ بالمشافہ آپ کی خدمت میں عرض کر سکوں مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اب بھی اگر آپ مزید وضاحت کے لئے مجھے طلب فرمائیں تو بسرو چشم حاضر ہو جاؤں گا۔ فقط والسلام

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

اس خط کے جواب میں میاں شریف صاحب نے میاں نواز شریف کے داماد کیپٹن صفدر کو ڈاکٹر صاحب سے ملاقات اور گفتگو کے لئے بھیجا۔ جس کے دوران ڈاکٹر صاحب نے اپنی رائے کے حق میں مفصل دلائل دیئے اور بالآخر کیپٹن صاحب نے فرمایا کہ وہ یہ ساری باتیں میاں شریف صاحب کو بھی بتا دیں گے۔ اور چونکہ جلد ہی وہ میاں نواز شریف سے ملاقات کے بھی جانے والے ہیں چنانچہ یہ پیغام انہیں بھی پہنچا دیں گے۔

ملکی' ملی اور بین الاقوامی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کا تبصرہ

خطابات جمعہ (مسجد دار السلام لاہور) کے پریس ریلیز کے آئینے میں

☆ ☆ ☆

موجودہ حکومت ملک میں نفاذِ اسلام سے خوف زدہ ہے

۸ ستمبر کا خطابِ جمعہ

مذہبی امور کے وفاقی وزیر ڈاکٹر محمود غازی کا یہ کہنا خلافِ واقعہ ہے کہ نفاذ اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ عوام ہیں کیونکہ پاکستان میں اسلام کا نفاذ اگر عوام کی خواہش نہ ہوتی تو بھٹو جیسے سیکولر حکمران کو ۱۹۷۳ء کے آئین میں اسلامی دفعات شامل کرنے اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی ضرورت نہ پڑتی۔ ڈاکٹر محمود غازی کی یہ بات بھی مغالطہ انگیز ہے کہ سودی نظام کے خاتمے کی صورت میں جو پابندیاں اور سختیاں آئیں گی انہیں ۱۴ کروڑ کی آبادی میں سے ۱۴ آدمی بھی برداشت نہیں کر سکیں گے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حقیقی اسلام کے نام پر قوم سے کوئی بھی قربانی مانگی جائے قوم کبھی پیچھے نہیں ہٹے گی۔ تاہم اسلام کا کھوکھلا نعرہ اب کام نہیں دے گا۔

اسی طرح ڈاکٹر محمود غازی کا قادیانیوں سے متعلق بنائے جانے والے قانون کو عوام کا جذباتی فیصلہ قرار دینا بھی محلِ نظر ہے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ عوامی تحریکیں جذبات کی بنیاد پر چلتی ہیں لیکن وہ علماء جن کی پکار پر عوام اس تحریک میں شامل ہوئے انہوں نے تو مرزا غلام احمد قادیانی کی تصانیف کے بغور مطالعہ کے بعد سوچ سمجھ کر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اس مسئلے میں تمام مسالک کے علماء کا جتنا بڑا اجماع ہوا تھا' پاکستان کی تاریخ میں کسی اور معاملے میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ لہٰذا قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلانے کی تحریک کو جذباتی فیصلہ کہنا درست نہیں۔

موجودہ حکومت ملک میں نفاذِ اسلام سے شاید اس لئے خوف زدہ ہے کہ کہیں دستوری و ریاستی ڈھانچہ درہم برہم نہ ہو جائے۔ حالانکہ یہ خدشہ بے بنیاد ہے' کیونکہ ہمارے دستور میں ایک اعتبار سے مکمل اسلام موجود ہے' صرف ان اسلامی شقوں پر سے اگر غیر ضروری پابندیاں ہٹالی جائیں اور دستور میں موجودہ بعض رخنے اگر بند کر دیئے جائیں تو ملک میں بہت آسانی سے قوانین اسلامی کی

تنفیذ ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ نظام پارلیمانی جمہوری ہو یا صدارتی' اس سے اسلام کو کوئی بحث نہیں' یہ سب مباح کے درجے میں ہیں۔ اسلام میں اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے اندر رہتے ہوئے باہم مشورے سے تمام امور سرانجام دیئے جاسکتے ہیں۔ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے دنیا میں رائج کسی بھی سیاسی نظام کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

واضح رہے کہ اسلامی نظام صرف قوانین اسلامی ہی کی تنفیذ کا نام نہیں بلکہ یہ ہمیں ایک عادلانہ اجتماعی نظام بھی دیتا ہے جو اس کی اصل روح ہے۔ اگر دستور میں موجودہ میکنزم کو چالو کر دیا جائے تو ہمارے ملک میں کم از کم سیاسی سطح پر عادلانہ نظام ضرور قائم ہو جائے گا جبکہ انسانی زندگی کے دوسرے اجتماعی گوشوں میں عدل لانے کے لئے حکومت کو مزید اقدامات کرنا ہوں گے۔ ان میں سب سے اہم اقدام معاشی سطح پر سودی نظام اور جاگیرداری کا فی الفور خاتمہ ہے۔

اقوامِ متحدہ کے میلینیم اجلاس میں چیف ایگزیکٹو کی تقریر اور دیگر ممالک کے سربراہان سے ملاقاتیں بہت کامیاب رہی ہیں۔ اگرچہ بھارت نے اس موقع پر پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ کے لئے ایک کثیر رقم خرچ کی تھی' لیکن پاکستان کی عمدہ حکمت عملی کے باعث اسے دفاعی پوزیشن اختیار کرنا پڑی ہے۔ اسی طرح چیف ایگزیکٹو نے بڑی عمدگی سے کشمیر کے مسئلے کو اس پلیٹ فارم پر دوبارہ زندہ کیا اور یہ کہہ کر کہ اگر بھارت اپنی فوج اور اسلحے میں تخفیف کرنے یا اپنا ایٹمی اسلحہ تباہ کرنے پر رضامند ہو تو ہم بھی اس کی تقلید کریں گے' عالمی برادری کے سامنے بھارت کی ہٹ دھرمی کو نمایاں کر دیا ہے۔

مسلم لیگ کے موجودہ بحران کے پیش نظر میاں محمد شریف صاحب سے میری اپیل ہے کہ وہ ملک کی بہتری کے لئے پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ میں خالص جمہوری انداز میں الیکشن کرا دیں' کیونکہ ملک میں جمہوری نظام کو عمدگی سے چلانے کے لئے دو مضبوط جماعتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک طویل عرصے کے بعد پیپلزپارٹی کے مقابلے میں مسلم لیگ برابر کی چوٹ بن کر ابھری تھی۔ بصورت دیگر مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ کر ایک بار پھر کمزور ہو جائے گی۔ یہ صورت حال نہ صرف ملک اور مسلم لیگ کے لئے بلکہ خود شریف فیملی کے لئے نقصان دہ ہو گی۔ امیر تنظیم نے کہا کہ یہ بات میں شریف خاندان اور مسلم لیگ کی خیرخواہی کے جذبے سے کہہ رہا ہوں کیونکہ میاں شریف صاحب اگر مسلم لیگ کی صدارت پر اپنے خاندان کے کسی فرد کی قربانی دے کر جمہوری روایات کو فروغ دیں گے تو اس سے مسلم لیگ مضبوط ہو کر پیپلزپارٹی سے بہت آگے نکل جائے گی اور یوں مضبوط مسلم لیگ کی نئی قیادت ان کی ممنون احسان ہو کر ان کے کام بھی آسکے گی۔

اگر ہم اب بھی نہ جاگے تو تباہی و بربادی ہمارا مقدر ہو گی

۱۵ ستمبر کا خطاب جمعہ

بھارتی وزیر اعظم واجپائی کے پانچ روزہ دورۂ امریکہ کے بعد پاکستان دوبارہ اسی فیصلہ کن دوراہے پر آکھڑا ہوا ہے جس سے چھ ماہ قبل صدر کلنٹن کے دورۂ جنوبی ایشیا کے بعد دوچار ہوا تھا۔ لیکن اس بار بھی اگر ہم نے حالات و واقعات کا صحیح تجزیہ کر کے اپنے لئے درست راہ کا تعین نہ کیا تو شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں سنبھلنے کا مزید موقع نہ ملے۔ اقوامِ متحدہ کے میلینیم اجلاس میں تمام سربراہان مملکت نے شرکت کی' لیکن جس طرح واجپائی کے سرکاری دورے کا اہتمام کیا گیا اور بھارتی وزیر اعظم کو کانگریس اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کا جو غیر معمولی اعزاز بخشا گیا اس سے امریکہ کی نظر میں بھارت کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف پرویز مشرف صاحب کی اس درجے بے وقعتی کی گئی کہ نہ صرف یہ کہ امریکی صدر بل کلنٹن نے ان سے دانستہ ملاقات نہیں کی بلکہ ایک اتفاقی مڈبھیڑ کی خبر اخبارات میں شائع ہونے پر امریکی میڈیا نے باقاعدہ تردید جاری کی کہ یہ کوئی باقاعدہ ملاقات نہ تھی۔ عالمی سطح پر اب اس بات کا چرچا ہے کہ دنیا کی دو عظیم جمہوریتیں ایک دوسرے کے قریب آ رہی ہیں اور بقول شخصے پاکستان دنیا میں تنہا رہ گیا ہے۔ ان حالات میں اگر ہم اب بھی نہ جاگے تو شدید اندیشہ ہے کہ امریکی وزارت دفاع کے پالیسی ونگ کی تیار کردہ حالیہ رپورٹ کا یہ تجزیہ حرف بحرف صحیح ثابت ہو گا کہ ۲۰۲۰ء میں پاکستان دنیا کے نقشے سے غائب ہو جائے گا۔

اب ہمارے پاس بقا کے دو ہی راستے ہیں۔ پہلا یہ کہ اگر ہم امریکہ کی ڈکٹیشن لیں اور اس کے مطالبات کو یکے بعد دیگرے تسلیم کرتے ہوئے اپنی ایٹمی صلاحیت سے دستبردار ہو جائیں اور اسلام سے ترک تعلق اور جہاد کو اپنی لغت سے خارج کرنے کا اعلان کریں تو دنیا کے نقشے پر پاکستان قائم تو رہ سکتا ہے لیکن اس صورت میں ہمیں ذلت و رسوائی قبول کرتے ہوئے بھارت اور امریکہ کا تابع مہمل بن کر رہنا ہو گا۔ دوسرا صحیح اور باوقار راستہ یہ ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے تابع بن کر رہیں اور امریکہ اور اس کے ایجنٹ اداروں یعنی ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کے سامنے ڈٹ جائیں۔ اس صورت میں گو ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہو گی اور نہ صرف ہم اپنے وسائل پر اکتفا کرتے ہوئے بتدریج اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں گے بلکہ پوری دنیا کی رہنمائی کا فریضہ بھی سرانجام دے سکیں گے۔

ہمیں حقائق کا نہایت گہرائی میں جا کر تجزیہ کرنا ہو گا اور خوب سوچ سمجھ کر اپنا آئندہ لائحہ عمل

مرتب کرنا ہو گا۔ تاہم اگر ہم نے اب بھی اللہ کی طرف رجوع نہ کیا تو پھر ہم ان کفار و مشرکین سے بھی بدتر ٹھہریں گے جو کم از کم مصیبت کے وقت تو تمام معبودوں کو بھلا کر خالصتاً اللہ کو پکارتے تھے۔ چنانچہ موجودہ حالات میں اگر ہم نے اللہ کو نہ پکارا تو شاید ہم سے زیادہ کوئی بدبخت نہ ہو گا اور بربادی و تباہی ہمارا مقدر بن جائے گی۔

اللہ سے رجوع کرنے کے لئے ہمیں تین سطحوں پر توبہ کے مراحل سے گزرنا ہو گا۔ اولاً ہم میں سے ہر شخص انفرادی سطح پر توبہ کرے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنی معیشت و معاشرت کو حرام و منکرات سے پاک کریں اور ملک میں نفاذ اسلام کے لئے تن من دھن لگانے کو تیار ہو جائیں۔ دوسری سطح پر دینی جماعتیں الیکشن کی سیاست سے توبہ کر کے ملک میں نفاذ اسلام کے لئے متحدہ اسلامی انقلابی محاذ تشکیل دیں، جس کے لئے قواعد و ضوابط پی این اے یا ایم آر ڈی کے طرز پر مرتب کئے جائیں۔ جبکہ توبہ کی تیسری سطح کا تعلق حکومت وقت سے ہے کہ وہ دستور میں موجود اسلامی قوانین کے نفاذ کے میکنزم کو چالو کر دے، اس ضمن میں فیڈرل شریعت کورٹ پر عائد پابندیاں ہٹالی جائیں، عدالت ہذا کے ججوں کی تعداد بڑھائی جائے اور ان کے ججوں کو ہائی کورٹ و سپریم کورٹ کے ججوں کے مساوی قرار دیا جائے۔ مزید برآں سود کے کامل انسداد کے لئے اقدامات کئے جائیں اور جاگیردارانہ نظام کے خاتمہ کے لئے علماء کا ایک کمیشن مقرر کیا جائے۔ صرف اسی صورت میں پاکستان ایک آزاد ملک کی صورت میں اس دنیا کے نقشے پر قائم رہ سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا وجود بھی اسلام سے وابستہ ہے اور اس کی معیشت کی بحالی کا دارومدار بھی اسلام ہی سے وابستگی پر ہے۔

ملک کے نصابِ تعلیم میں قرآنی تعلیمات کی شمولیت کے ضمن میں زبیدہ جلال کی طرف سے حالیہ متوقع اجلاس کے حوالے سے میری تجویز یہ ہے کہ عربی زبان کو پہلی جماعت سے دسویں جماعت تک پڑھایا جائے۔ میٹرک کے بعد بنیادی تعلیمات اور اخلاقیات سے متعلق چھوٹی چھوٹی آیتیں اور احادیث کورس میں شامل کی جائیں جبکہ اگلی کلاسز میں قرآن حکیم کی اصولی بنیادی تعلیمات پر ایک منتخب نصاب شامل کورس کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم اس طرح ابتدا ہی سے اپنے نصاب تعلیم کو ترتیب دیں تو ہمارے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

قیامِ پاکستان کے مخالف علماء کے موقف کا حقیقت پسندانہ جائزہ اور منصفانہ تجزیہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدّ ظلّہٗ کا یکم ستمبر ۲۰۰۰ء کا خطابِ جمعہ

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات :

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرجیم ○ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ ... عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّھْلِکَ عَدُوَّکُمْ وَیَسْتَخْلِفَکُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ○ ﴾ (الاعراف : ۱۲۹)

﴿ وَاذْکُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىکُمْ وَاَیَّدَکُمْ بِنَصْرِہٖ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ○ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ ﴾ (الانفال: ۲۶'۲۷)

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ ؕ وَلِذٰلِکَ خَلَقَھُمْ ؕ وَتَمَّتْ کَلِمَةُ رَبِّکَ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ○ ﴾ (ھود: ۱۱۸'۱۱۹)

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

پاکستان کے قیام کے ضمن میں اسلام کا کیا رول ہے اور اس کے استحکام اور اس کی بقاء کے ضمن میں اسلام کا کیا عمل دخل ہے؟ ان موضوعات پر ہم نے جلسہ ہائے عام میں بھی تقاریر کی ہیں' کچھ ہوٹلوں میں بھی اجتماعات منعقد کئے ہیں اور یہاں خطباتِ جمعہ میں بھی یہ موضوع زیر بحث آیا ہے۔ اس ضمن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے' جو کہ بہت سے

لوگوں کے ذہنوں میں یقیناً پیدا ہوا ہوگا' کہ اگر تحریک پاکستان کا اسلام کے ساتھ اتنا گہرا رشتہ تھا تو بعض بڑی مقتدر دینی شخصیتیں' قوتیں اور دینی جماعتیں اس کی مخالف کیوں تھیں؟ ظاہر بات ہے قیامِ پاکستان کے ان مخالفین میں ایک بڑی نابغۂ روزگار شخصیت مولانا ابو الکلام آزاد کا نام بھی آتا ہے' پھر یہ کہ تقویٰ اور تدیّن کے اعتبار سے بڑی عظیم المرتبت شخصیت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ کا نام بھی ان میں شامل ہے۔ اُس وقت کی جمعیت علماءِ ہند بہت مضبوط اور طاقتور جماعت تھی' اس کا دائرہ کار پورے ہند میں پھیلا ہوا تھا' پنجاب میں خاص طور پر مجلس احرارِ اسلام بڑی عوامی جماعت تھی' یہ سب لوگ پاکستان کے مخالف تھے۔ ان کا موقف اور دلائل کیا تھے؟ اور کیا وجہ ہوئی کہ مسلمانوں نے ان افراد کی رہنمائی کو قبول نہیں کیا' بلکہ انہوں نے قائداعظم محمدّ علی جناح اور مسلم لیگ کی قیادت کو قبول کیا اور ان کی رہنمائی کو عملاً اختیار کر لیا۔

ظاہر بات ہے کہ یہ موضوع بڑا حسّاس قسم کا ہے۔ ہمارا معاملہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جن شخصیات سے ہمیں محبّت یا عقیدت ہوتی ہے ان پر ہم کوئی تنقید برداشت نہیں کر سکتے۔ عام طور پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ تو ہر عیب سے مبرّا و منزّہ ہیں' جبکہ جن سے کسی وجہ سے اختلاف ہو جائے تو ان کے بارے میں کوئی کلمۂ خیر نہیں سن سکتے' ان کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ ان کے اندر کوئی خوبی بھی ہو سکتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں عام انسانوں کا طرزِ عمل یہی ہے۔ اِس صورت حال میں ان موضوعات پر اظہارِ خیال کرنا پُل صراط پر سے گزرنے کے مترادف ہے۔ یعنی یہ تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک راستہ ہے کہ انسان ان نازک موضوعات پر گفتگو کرے اور عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے' اور پھر یہ کہ اس موضوع کا حق بھی ادا کرے۔

اب ظاہر بات ہے کہ ان عظیم المرتبت شخصیات میں سے اگر بعض کے معاملے میں اختلاف کرنا پڑتا ہے تو وہ اپنی جگہ ایک ضرورت ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھا جانا چاہئے کہ اس اختلاف کی بنیاد ان کی توہین پر ہے' یا مَیں ان کی عظمت' جلالت اور قدر سے واقف نہیں ہوں' یا میرے قلب میں ان کے بارے میں کوئی تعصب ہے۔ ایسی بات ہرگز نہیں ہے۔ تاہم یہ تمام شخصیات بہرحال انسان تھیں اور انسان میں خطا اور نسیان دونوں چیزیں

موجود ہیں۔ حدیثِ نبویؐ میں آتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں انسان کے اجزائے ترکیبی میں شامل ہیں : ((اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِنَ الْخَطَاِ وَالنِّسْیَانِ)) یعنی "انسان خطا اور نسیان کا مرکب ہے"۔

اس حوالے سے بڑی سے بڑی شخصیتوں سے بھی غلطی ہو سکتی ہے اور ان سے اختلافِ رائے بھی کیا جا سکتا ہے' البتہ آداب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہئے۔

برِّعظیم میں اسلام کی آمد

اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں' لیکن ضروری ہے کہ پہلے ہم برعظیم میں اسلام کی آمد کے پس منظر پر ایک نگاہ ڈالیں تاکہ تحریک پاکستان کے مخالف علماء اور شخصیتوں کے موقف کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

ہندوستان میں اسلام جس طور سے آیا ہے اس کا ایک تاریخی نقشہ ذہن میں قائم کر لیں کہ ہندوستان میں اوّلاً اسلام اُس وقت آیا جبکہ دورِ صحابہؓ ختم ہو چکا تھا' بلکہ دورِ صحابہ کو ختم ہوئے پچاس برس بیت چکے تھے' یعنی دورِ نبویؐ اور دورِ خلافتِ راشدہ کی برکات سے برِّعظیم پاک و ہند بالکل محروم رہا۔ ۹۳ھ میں محمدّ بن قاسم جب یہاں داخل ہوئے تو یہ تابعین کا دور تھا۔ ہندوستان میں اسلام کا داخلہ براستہ سندھ تھا' جو کہ بہت زوردار تھا اور اس اعتبار سے یہ خالص عربی الاصل اسلام تھا اور اس میں عجمیت کا کوئی حصہ داخل نہیں ہوا تھا۔ ابھی کوئی فرقہ تھا نہ کوئی مسلک' بلکہ اسلام ایک متحد اسلام کی حیثیت سے تھا۔ ابھی تو فقہی مسالک یعنی حنفیت' مالکیت اور شافعیت وغیرہ بھی نہیں تھے' صوفیاء کے سلسلے یعنی چشتیہ' سہروردیہ اور نقشبندیہ وغیرہ بھی ابھی وجود میں نہیں آئے تھے' پھر یہ کہ اسلام میں عجمی فلسفے کے کوئی اثرات نہیں تھے اور متکلمانہ بحثیں شروع نہیں ہوئی تھیں۔ یوں سمجھئے کہ اُس وقت اسلام سے قریب ترین جو معاملہ ہو سکتا تھا وہی تھا۔

اگرچہ حضور ﷺ کے انتقال کو تو ۸۰ برس بیت چکے تھے اور خلافتِ راشدہ کو ختم ہوئے پچاس برس گزر چکے تھے' دورِ صحابہ ختم ہو چکا تھا' لہٰذا اسلام کی عظیم ترین برکات سے تو یہ برعظیم پاک و ہند محروم رہا' لیکن پھر بھی بعد کے تمام ادوار کے مقابلے میں یہ

بہترین دَور تھا کہ ابھی اس میں فرقہ واریت تھی نہ کوئی مناقشے اور جھگڑے تھے۔ اسلام میں ابھی اصل عربی روایات برقرار تھیں۔ لیکن ہندوستان میں اسلام کی آمد کا یہ دَور بہت مختصر رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب میں ملوکیت کا آغاز ہو چکا تھا اور یہاں محمدّ بن قاسم کو اس قدر مقبولیت حاصل ہو رہی تھی کہ ہندوؤں نے ان کے بُت تراش کر مندروں میں رکھ کر پوجنے شروع کر دیئے تھے۔

محمدّ بن قاسم اٹھارہ بیس برس کا نوجوان تھا' جو ع "در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیمبری" کا مصداقِ کامل تھا۔ اس کی نیکی' تقویٰ' تدبّر اور اس کی سپہ سالاری کے جوہر ایسے تھے کہ ہندو کہتے یہ انسان نہیں دیوتا ہے۔ ہندو کی تو ذہنیت ہی یہ ہے کہ وہ تو فوراً ایسی شخصیات کو مہاتما اور مہاتما سے آگے خدا کا اوتار بنا کر پوجنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ مقبولیت بادشاہت کو کسی طرح گوارا نہیں ہوتی' ملوکیت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی اور شخص اتنا مقبول ہو جائے' اس لئے کہ یہ اس حاکمیت کیلئے Potential danger ہو جائے گا' لہٰذا محمدّ بن قاسم کو بلا کر شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ یہاں اسلام رہا ہے' لیکن وہ کتنے عرصے رہا اور اس کے کتنے اثرات رہے' حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ ویسے یہ نوٹ کر لیجئے کہ مغربی پاکستان یعنی ہمارے موجودہ پاکستان کا پورا علاقہ اُس وقت اسلام کے زیر نگیں آ گیا تھا۔ ملتان کو اصل میں اس کے صدر مقام کی حیثیت حاصل تھی اور آزاد کشمیر تک کا علاقہ جہاں سے پہاڑی سلسلہ شروع ہوتا ہے' یہ ملتان کے تابع تھا۔ صرف شمالی پہاڑی علاقوں کو چھوڑ کر گویا برِّعظیم میں پہلا "پاکستان" عربوں کے زیر اثر بن چکا تھا' لیکن پھر جلد ہی یہ "پاکستان" ختم بھی ہو گیا' اسلئے کہ یہاں اسلام کے اثرات مستقل نہیں تھے۔ اسکے بعد کتنی دیر تک کیا صورت حال رہی! تاریخ یہ بتانے سے قاصر ہے۔

اس کے بعد ہندوستان میں اسلام مسلسل بارش کی ہلکی ہلکی پھوار کی طرح اس کے جنوبی ساحل پر تاجروں کے ذریعے آتا رہا۔ وہ تاجر تجارت بھی کرتے تھے اور ان کی شخصیتیں دل کو موہ لینے والی ہوتی تھیں۔ ان کا کردار بہت اعلیٰ اور معاملات بہت صحیح تھے۔ اس طریقے سے ان تاجروں کے ذریعے سے اسلام یہاں کے ساحلی علاقوں میں آیا۔ مالابار کا ساحل اور جنوبی ہند (کیرالہ) میں اب بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے اور ان کا کافی

دبدبہ ہے۔ ان کو عربی زبان سے بڑا شغف ہے۔ گویا کہ مالابار کا ساحل اس اعتبار سے عرب کا حصہ بن گیا تھا۔ اُدھر سے عرب کا ساحل' اِدھر سے ہندوستان کا مغربی ساحل اور بیچ میں بحیرۂ عرب ان عرب تاجروں کے زیر اثر تھا۔ اگرچہ یہاں کوئی حکومت وغیرہ قائم نہیں ہوئی تھی البتہ اسلام مسلسل پھیلتا رہا۔

اس کے بعد وہ اسلام جو قوت' طاقت اور حکومت لے کر آیا وہ تقریباً ڈھائی سو برس بعد آیا ہے' جس کا آغاز ۸۱۔۹۸۰ء میں محمود غزنویؒ کے حملوں سے ہوا۔ اُس وقت گویا کہ موجودہ پاکستان کے پنجاب کا شمالی حصہ پورے کا پورا دارالسّلام میں شامل ہو چکا تھا۔ اسی لئے تو اندرا گاندھی نے وہ جملہ کہا تھا کہ "We have avenged our thousand years defeat" یعنی ۹۸۰ء تا ۱۹۷۱ء تک ہزار برس مکمل ہونے میں صرف نو برس کا فرق رہ گیا تھا۔ اس لحاظ سے اس نے کہا تھا کہ ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا ہے۔ بہرحال اسلام جب آیا تو تین سو برس تک صرف اسی علاقے میں رہا' آگے نہیں بڑھا۔ اسی دَور میں شیخ اسماعیلؒ بخاری اور شیخ علی ہجویریؒ یہاں آئے اور ان کے ذریعے سے پھر تربیت اور روحانی سلسلوں کا بھی آغاز ہوا۔

تختِ دہلی پر مسلمانوں کی حکومت

مسلمانوں کا تختِ دہلی پر قبضہ ۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبکؒ کے ذریعے ہوا۔ تختِ دہلی پر ۱۲۰۶ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک ۶۵۱ برس مسلمانوں کا قبضہ رہا۔ اس دَورِ حکومت کا بہترین دور خاندانِ غلاماں کا تھا۔ اسی دَور میں معین الدین اجمیریؒ' خواجہ بختیار کاکیؒ اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ یہاں آئے اور سلسلۂ چشتیہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اس کے بعد نظام الدّین اولیاءؒ کے ذریعے سے تو پورے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کا بہت غلغلہ بلند ہوا۔

تختِ دہلی پر ہماری حکومت کے ساڑھے چھ سو برس کو دو حصّوں میں تقسیم کر لیجئے۔ آدھا حصہ وہ ہے جس میں سب سے پہلے تو خاندانِ غلاماں کی حکومت رہی' پھر خلجی خاندان' اس کے بعد تغلق خاندان' پھر خاندانِ سادات اور پھر لودھیوں کی حکومت رہی۔ تخت دہلی پر سوا تین سو برس (۱۲۰۶ء۔۱۵۲۶ء) کے دوران پانچ خانوادوں یا

خاندانوں نے حکومت کی۔ تختِ دہلی پر حکومت کے دوسرے حصّے کا آغاز ۱۵۲۶ء میں بابر کے آنے سے ہوا۔ پانی پت کی پہلی جنگ میں اس نے ابراہیم لودھی کو شکست دی۔ اس طرح ۱۵۲۶ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک تخت دہلی پر ۳۳۱ برس تک خاندانِ مغلیہ کی حکومت رہی۔ لیکن خاندانِ مغلیہ کے سوا تین سو برس میں سے بابر' ہمایوں' (پھر درمیان میں شیر شاہ سوری آگیا) اکبر' جہانگیر' شاہجہاں اور اورنگزیب کے دَور تک پونے دو سو برس کا دور بڑی قوّت' شوکت' دبدبے اور سطوت کا دور ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا زوال

اس کے بعد ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی' لیکن جیسے ایک بلند عمارت کو گرنے میں وقت لگتا ہے اسی طرح سوا سو' ڈیڑھ سو برس درحقیقت اس عظیم عمارت کے کھنڈر بننے کا وقت ہے۔ ؏

کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی!

اس میں آخری حکمران بہادر شاہ ظفر ہیں جنہیں گرفتار کر کے رنگون پہنچادیا گیا اور وہیں ان کا انتقال ہوا ؎

کتنا ہے بدنصیب ظؔفر دفن کے لئے دو گز زمیں بھی مل نہ سکی کوئے یار میں!

شہنشاہِ ہند آج بھی کوئے غیر میں دفن ہے' اور آج بھی رنگون میں ان کا مزار موجود ہے۔

اب اس سے ذرا آگے آیئے اور تقریباً ڈھائی سو سال پہلے ۱۸ویں صدی عیسوی کا تصور کیجئے! اس صدی میں ۱۷۵۷ء بڑا اہم سال ہے۔ اس وقت ہندوستان کا عجیب نقشہ تھا کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت بالکل برائے نام تھی' یعنی اس کی کوئی حیثیت نہیں رہی تھی۔ پورا ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا تھا' جن میں کہیں مسلمان نواب' کہیں ہندو راجے' کہیں مرہٹے اور راجپوت وغیرہ حکمران تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ انگریز کی آمد شروع ہو چکی تھی۔

انگریزوں کی آمد

۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی میں انگریزوں نے فتح حاصل کر کے بنگال میں قدم جما لئے

تھے۔ ویسے تو واسکوڈے گاما ۱۴۹۸ء میں ہندوستان آیا تھا۔ ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ ہوا۔ اور یورپ کے اندر نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) کے بعد جو Potential پروان چڑھ رہا تھا وہ پھر سیلاب کی شکل میں یہاں آیا ہے۔ زمینی راستے یعنی مشرق کی طرف سے یہ نہیں آ سکتا تھا' کیونکہ اس طرف سلطنت عثمانیہ بہت مضبوطی سے کھڑی تھی' لہٰذا یہ نہ شمالی افریقہ کے اندر سے اور نہ ہی مغربی ایشیاء کے راستے سے آ سکتا تھا' چنانچہ واسکوڈے گاما پورے افریقہ کا چکر کاٹ کر ۱۴۹۸ء میں ہندوستان کے مقام کالی کٹ پہنچ گیا۔

۱۴۹۸ء سے لے کر ۱۷۹۷ء تک تو انگریزوں کا معاملہ یہ تھا کہ کاروبار کر رہے ہیں' کوٹھیاں بنا رہے ہیں' مرکز بنا رہے ہیں اور انہوں نے ساحلوں پر اپنے کچھ قلعے بھی بنا لئے ہیں۔ ان کا یہ معاملہ صرف بنگال کی حد تک محدود تھا' بعد ازاں بنگال ہی سے ان کی حکومت کا آغاز ہوا اور یہ سیلاب ۱۷۹۷ء میں جنگ سے شروع ہوا۔ اس وقت برعظیم ہندوستان میں عظیم ترین طاقت مرہٹوں کی تھی۔ جنوبی اور وسطی ہند پر مرہٹوں کا تسلط تھا۔ مختلف ریاستوں کے راجے وغیرہ تو تھے لیکن مرہٹے ان سے "چوتھ" یعنی کل پیداوار کا چوتھائی حصہ وصول کرتے تھے۔ اور ان کی طاقت اتنی تھی کہ کوئی راجہ یا کوئی مسلمان نواب حتیٰ کہ دہلی میں بیٹھا ہوا بادشاہ بھی ان کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا تھا۔ اور اندیشہ یہ ہو گیا تھا کہ شاید ہندوستان سے مسلمانوں اور اسلام کا نام مٹا دیا جائے گا' اس لئے کہ مرہٹہ قوت بڑی فنڈامنٹلسٹ مذہبی قوت تھی اور مسلمانوں اور اسلام سے شدید نفرت کرتی تھی۔ آج بھی ہندوستان میں ان کے وارث آر ایس ایس والے ہیں اور آر ایس ایس اسی علاقے سے شروع ہوئی ہے' یعنی مہاراشٹر اور ناگپور وغیرہ کا علاقہ جسے اب مدھیہ پردیش کہتے ہیں' یہیں سے وہ مرہٹہ طاقت ابھری تھی۔ شیواجی بھی یہیں سے تھا' جس کے خلاف اورنگ زیب عالمگیر پچیس برس تک لڑتا رہا۔ اندازہ کیجئے اورنگزیب کا دورِ حکومت پچاس برس کا ہے' جبکہ ۲۵ برس وہ اپنے دارالخلافہ دہلی میں آ ہی نہیں سکا' بلکہ مرہٹوں اور شیواجی سے الجھا رہا اور آخر کار وہیں اس کا انتقال ہوا۔ وہ اورنگ آباد میں دفن ہے' جو ریاست حیدر آباد دکن کا شہر تھا' اب یہ شہر مہاراشٹر میں ہے۔ اورنگ زیب نے اس طاقت کو ایک دفعہ تو کچل دیا تھا' لیکن ابھی وہ سانپ مرا نہیں تھا'

صرف کچلا گیا تھا' لٰہذا وہ جلدی سے دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت دہلی کے ایک مردِ درویش شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے' جو ۱۲ویں صدی ہجری کے مجددِ اعظم ہیں' دیکھ لیا کہ اب ہندوستان میں اس طاقت کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں۔ کوئی راجہ' نواب' سپہ سالار اور کوئی عسکری قائد اس قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا' لٰہذا انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو خط لکھا۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی آیا اور پانی پت کی تیسری جنگ (۱۷۶۱ء یا ۱۷۶۲ء) میں اللہ کی خاص تائید سے اس قوت کی کمر توڑ دی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی معجزانہ نصرت شامل تھی جس سے مرہٹہ قوت کچلی گئی۔ اس کے کچھ عرصے بعد سکھ ابھر آئے۔ اصل میں سکھوں کے ابھرنے میں احمد شاہ ابدالی بھی ذریعہ بن گیا تھا۔ ہوا یوں کہ ابدالی کی توپیں دریا میں پھنس گئی تھیں' جو نکل نہیں رہی تھیں تو رنجیت سنگھ اور اس کے ساتھیوں نے ان کو نکلوا دیا تھا۔ اس سے خوش ہو کر احمد شاہ ابدالی نے انہیں کچھ علاقہ دے دیا۔ وہاں پر رنجیت سنگھ نے اپنے قدم جمائے اور سکھوں کی طاقت کو مجتمع کیا۔ پھر یوں سمجھئے کہ جیسے مرہٹوں کا معاملہ تھا ویسے ہی اسلام اور مسلمانوں کے لئے سکھوں کا معاملہ ہو گیا۔

جنوبی ہند میں سلطان ٹیپو کی واحد طاقت تھی جو انگریز کا راستہ روکے کھڑی تھی۔ لیکن اپنوں کی غدّاری سے انہیں شہادت ہوئی تو ہندوستان پر مسلمانوں کا حصار ختم ہو گیا۔ عجیب بات ہے کہ پلاسی کی جنگ میں انگریزوں کو جو فتح ہوئی وہ بھی میر جعفر کی غداری کی وجہ سے ہوئی' جو شیعہ تھا' اور ادھر میر صادق بھی شیعہ تھا جس کی غداری کی وجہ سے سلطان ٹیپو کو شکست ہوئی اور وہ شہید ہوئے ؂

جعفر از بنگال و صادق از دکن ننگِ ملّت' ننگِ دیں' ننگِ وطن!

یوں سمجھئے کہ جنوبی ہند میں سلطان ٹیپو آخری سپہ سالار تھے' جسے اقبال نے ہمارے ترکش کا آخری تیر کہا ہے۔ ؏

ترکشِ ما را خدنگِ آخریں!

یعنی اسلام کے ترکش کا آخری تیر سلطان ٹیپو تھا' وہ ختم ہوا تو اب ہندوستان میں انگریز کی طاقت کو کوئی روکنے والا اور اس کی پیش قدمی کے آگے کہیں رکاوٹ ڈالنے والا کوئی نہیں تھا۔

یہ میں نے آپ کو اٹھارہویں صدی عیسوی کا کچھ نقشہ دکھایا ہے' اس لئے کہ تاریخی اہمیت کے کم از کم اہم Landmarks تو ہمارے ذہنوں میں رہنے چاہئیں۔

تحریکِ شہیدین

اب ہم انیسویں صدی میں آتے ہیں۔ یہ تیرہویں صدی ہجری تھی جس کے مجدّدِ اعظم سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سامنے آتے ہیں' جو درحقیقت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے خاندان کے تربیت یافتہ شخص تھے۔ آپ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور شاگرد بھی تھے' اگرچہ علمی مناسبت ان کو اتنی نہیں تھی' ترجمہ قرآن وغیرہ پڑھنے کے بعد آگے پڑھنے میں نہیں چلے' لیکن جہاد کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور روحانی طاقت بھی بے پناہ تھی۔ امیر محمّد خان جب تک انگریزوں سے لڑتا رہا اُس وقت تک آپ نے اس کا ساتھ دیا۔ امیر محمّد خان کو انگریز پنڈارے کہتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ گویا کہ قاتل تھے۔ جیسے حروں کو انگریزوں نے کہا کہ یہ تو ڈاکو ہیں' حالانکہ وہ کوئی ڈاکو نہیں تھے' بلکہ انگریزوں کے خلاف مدافعت کرنے والی قوت تھی۔ اسی طرح پنڈارے ڈاکو نہیں تھے' وہ تو سنٹرل انڈیا میں انگریزوں کے خلاف مزاحمت کر رہے تھے۔ سید احمد بریلوی انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے امیر محمّد خان کی فوج میں بھی شامل رہے' لیکن بعد میں جب امیر محمّد خان نے انگریزوں سے دب کر صلح کرلی گویا کہ اطاعت قبول کرلی' تو انگریزوں نے اسے ایک ریاست دے دی۔ ہندوستان کے آزاد ہونے تک وہ ریاست موجود تھی۔ بہرحال جب امیر محمّد خان نے انگریز کی اطاعت قبول کرلی تو سید احمد بریلویؒ اس کا راستہ چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے اور پھر انہوں نے خود تحریکِ جہاد کا آغاز کیا۔ یہ جہاد تاریخ ہند کا اہم ترین جہاد ہے۔ اس کے لئے خالص اسلامی اصولوں پر جماعت بندی کی گئی۔ پہلے بیعت کی بنیاد پر تنظیم سازی کی گئی' رفقاء کی اخلاقی اور دینی تربیت کی گئی اور پھر قتال کا راستہ اختیار کیا گیا۔ یہ مراحل یوں سمجھئے کہ سُنّت کا طریقہ ہیں کہ پہلے دعوت دی جائے' تربیت و تزکیہ ہو' لوگوں کو بیعت کے ذریعے سے منظم کیا جائے اور پھر جہاد و قتال کے لئے نکلا جائے۔

یہ نقشہ دَورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد میرے نزدیک پوری دنیا میں کہیں نہیں تھا۔ یہ

شہیدین کی تحریک کہلاتی ہے‘ کیونکہ سید احمد بریلوی اور ان کے دستِ راست شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جو شاہ ولی اللہؒ کے پوتے تھے‘ یہ دو اشخاص اس تحریک کی روحِ رواں تھے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ سید صاحب سے عمر میں بڑے تھے۔ جب آپ شہید ہوئے تو آپ کی عمر ۵۲ برس تھی اور سید صاحب اُس وقت ۴۶ برس کے تھے۔ گویا کہ آپ چھ سال عمر میں بڑے تھے اور علم میں تو بہت آگے تھے۔ لیکن انہوں نے جس شان سے بیعت کے تقاضے نبھائے تھے اور جس طرح بالاکوٹ میں آکر جان دے دی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ان شہیدین نے اصل میں جو نقشہ ذہن میں بنا رکھا تھا وہ لوگوں کو معلوم نہیں ہے‘ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید سکھوں کے ساتھ ان کی دشمنی تھی‘ حالانکہ ان کے پیش نظر ہندوستان کو دوبارہ دارالاسلام بنانا تھا۔ انگریزوں کی آمد کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ نے (جو ان کے مرشد ہیں) فتویٰ دے دیا تھا کہ انگریز کے آنے کے بعد اب ہندوستان دارالاسلام نہیں رہا‘ دارالحرب بن چکا ہے اور دارالحرب کو آزاد (liberate) کرانا مسلمانوں کا فرض ہے۔ چنانچہ ان کے پیش نظر تو درحقیقت ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرانا تھا‘ لیکن سوال یہ تھا کہ اس کی حکمتِ عملی (strategy) کیا ہو؟ انگریز کی حکومت کے اندر رہتے ہوئے ان کے خلاف تحریک کیسے چلے؟ اس لئے کہ پورے ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا انہوں نے یہ منصوبہ بندی کی کہ ہمیں سرحد کی طرف سے پیش قدمی کرنی چاہئے اور سب سے پہلے سکھوں کی سکھاشاہی کا خاتمہ کرنا چاہئے۔

سکھوں نے یہاں اس قدر مظالم توڑے تھے کہ انہیں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے بادشاہی مسجد کو اصطبل بنایا ہوا تھا اور لاہور کی اکثر مساجد کی سیڑھیوں پر قرآن مجید کے نسخے رکھ دیئے گئے تھے اور مسلمانوں کو حکم دیا جاتا کہ ان پر پاؤں رکھ کر اندر داخل ہوں‘ ورنہ خالصہ تمہاری گردن اڑا دے گا۔ سکھوں نے اذان دینے پر بھی پابندی عائد کر رکھی تھی۔ اس صورتِ حال میں انہوں نے جہاد کی حکمت عملی (Strategy) ایسی بنائی کہ جہاد شروع کرنے کے لئے بہت لمبا سفر کیا۔ ماؤزے تنگ کا لانگ مارچ مشہور ہے‘ لیکن میرے نزدیک یہ مارچ اس سے کہیں زیادہ لانگ تھا۔ سید صاحب کا قافلہ رائے بریلی سے روانہ ہوا‘ جو لکھنؤ سے بھی الٰہ آباد کی طرف تیس چالیس میل آگے ہے‘ پھر آپ نے پورا

راجپوتانہ کراس کیا اور سندھ کا پورا صحرا عبور کیا۔ پیرپگاڑا صاحب کے پانچویں پشت کے جدِ امجد سے آپ کا معاہدہ ہوا تھا کہ ہم جب سکھوں کو دھکیلتے ہوئے پنجاب میں آ جائیں گے تو آپ بھی ادھر سے ڈیرہ غازی خان کے راستے سے آیئے گا' یہاں آ کر ہماری فوجیں آپ سے مل جائیں گی اور ہم مل کر ہندوستان سے انگریزوں کو نکالیں گے۔ سید صاحب کے دو تبرکات تھے جو انہوں نے اس راشدی خاندان کو عطا کئے' ایک اپنا عَلم اور دوسرا اپنا عمامہ۔ ان کے ہاں جب خاندان میں تقسیم ہوئی تو ایک بھائی کو عمامہ مل گیا جس سے وہ پیرپگاڑا بن گئے اور دوسرے بھائی کو ان کا جھنڈا مل گیا تو وہ پیر جھنڈا شریف ہو گئے۔ پگاڑا پگڑی سے ہی بنا ہے۔ بہرحال انہوں نے پورا درۂ بولان کراس کیا جو کہ بلوچستان کا شدید ترین دشوار گزار علاقہ ہے' پھر آپ افغانستان میں داخل ہوئے اور پھر باجوڑ کے علاقے سے ہندوستان میں داخل ہوئے (آپ ان کے لانگ مارچ کا ذرا تصور کیجئے)۔ اس کے بعد سکھوں کے ساتھ ان کا جہاد ہوا' لیکن افسوس یہ کہ انہیں اس معرکے میں شکست ہوئی۔

میں جب ۱۹۵۲ء میں پہلی مرتبہ بالاکوٹ گیا تھا جبکہ میں میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا' تو وہاں ایک قبر پر سید احمد شہید" کا کتبہ لگا ہوا تھا' اگرچہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ غلط ہے اور سید صاحب کی قبر کا کوئی علم نہیں کہ وہ کہاں دفن ہیں۔ بعد میں اس کتبے کو ہٹا دیا گیا۔ اس کتبے کے اشعار مجھے آج بھی یاد ہیں ؎

سیّد احمد بریلوی غازی
ہست مدفون اندریں مرقد
مؤمن و متّقی ولی اللہ
و مجدّد برأسِ سیزدہ صد
آمد از ہند با گروہِ کثیر
بہرِ امدادِ مرداں سرحد

آپ سرحد کے مسلمانوں کو سکھا شاہی سے نجات دلانے کے لئے آئے اور وہاں جا کر انہوں نے شریعت کے احکام کی تنفیذ کر دی۔ وہ سمجھے کہ یہ تو دارالاسلام ہے' ساری آبادی مسلمانوں کی ہے' سب نمازی اور روزے دار ہیں' حالانکہ ان کے رواج مختلف

تھے۔ وہاں آج بھی بیٹیوں کو وراثت میں سے حصہ کون دیتا ہے؟ بلکہ بیٹی کی شادی پر لڑکے والوں سے پیسے لئے جاتے ہیں۔ یہ سارے رواج آج بھی وہاں چل رہے ہیں۔ سیّد صاحب نے جب شریعت کے احکام نافذ کئے تو وہاں کے مولوی ان کے خلاف بغاوت پر اتر آئے اور ان کے خلاف فتویٰ دیا۔ پھر یہ کہ پٹھانوں نے ایک رات معیّن کر کے شب خون مارا اور جہاں جہاں ان کے کیمپ تھے وہاں پر حملہ کر کے سینکڑوں مجاہدین کو شہید کر دیا۔ یہ لوگ بنگال' بہار اور یوپی کے میدانوں کے رہنے والے تھے اور کتنا لمبا سفر کر کے اسلام کی سربلندی کے لئے وہاں پہنچے تھے' لیکن ان کی بہت بڑی تعداد کو پٹھانوں نے شہید کر دیا۔ اس طرح ان مجاہدین کے ساتھ غداری کی گئی اور سیّد صاحب کو تو زہر دینے کی کوشش بھی کی گئی۔ اکوڑہ خٹک کے قریب سیدو ایک جگہ ہے' یہاں پر جنگ ہو رہی تھی تو سیّد صاحب کو زہر دے دیا گیا۔

میرے نزدیک ان کی شکست میں کسی حد تک ان کی اپنی غلطی کو بھی دخل ہے۔ پہلے وہاں لوگوں کی تربیت کرنے اور ان کو ذہناً تیار کر کے شریعت کے نفاذ کی ضرورت تھی۔ شاید انہوں نے قیاس کیا ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی تو مدینے میں آ کر شریعت نافذ کر دی تھی' لیکن اس ضمن میں یہ فرق پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ مدینے والے تو حضور ﷺ کو جا کر لے کر آئے تھے' جبکہ سید صاحب کو تو وہاں کوئی لے کر نہیں آیا تھا' آپ تو خود اپنی مرضی سے آئے تھے۔ لہٰذا وہاں کچھ وقت لینا چاہئے تھا کہ لوگوں کے ذہن' فکر اور سوچ کو بدلا جاتا اور اس کے بعد تدریجاً شریعت کی تنفیذ ہوتی۔ بہرحال سید صاحب سے جو غلطی بھی ہوئی نیک نیتی سے ہوئی' اور یہ بڑے سے بڑے شخص سے ہو سکتی ہے' لیکن اس کے نتیجے میں آپ نے ۱۸۳۱ء میں جامِ شہادت نوش کر لیا۔ یہ تاریخ ہند کا زرّیں ترین باب ہے۔ یہ خالص منہجِ انقلابِ نبویؐ کے اصول پر اسلامی تحریک تھی' لیکن غلطی ہو گئی۔ غلطی تو اُحد میں اگر صحابہؓ سے ہو گئی تھی تو اس کے نتیجے میں ستّر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے تھے۔ وہ تو حضور ﷺ کا وجودِ مسعود تھا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک حد تک ہی معاملہ رکھا کہ ایک عارضی سی شکست دے کر پھر فتح دے دی' لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہوا۔

یہ بات نوٹ کیجئے کہ انگریز کے ہندوستان آنے کے بعد ان کو نکالنے کی جِدّوجُہد اوّلاً

مسلمانوں نے کی اور خالص اسلامی طریقے سے کی۔

۱۸۲۶ء میں سید صاحب اور ان کے ساتھیوں نے رائے بریلی سے سفر شروع کیا تھا۔ مجھے وہاں جانے کا اتفاق ہوا ہے اور میں اُس خانقاہ میں ۲۴ گھنٹے رہا ہوں' میں نے پانچ نمازیں باجماعت اُس مسجد میں پڑھی ہیں۔ یہ مسجد اور خانقاہ شاہ عَلَم اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر کے زمانے میں بنائی تھی' جو کہ سید احمد بریلویؒ کے جدِّ امجد تھے۔ ان کے نام سے تکیہ شاہ عَلَمُ اللہ آج بھی مشہور ہے۔ مولانا علی میاںؒ اسی خاندان سے تھے اور وہیں ان کی رہائش تھی۔ میں ان کی خدمت میں دو مرتبہ وہاں گیا ہوں۔ سید صاحب نے رائے بریلی سے دو نفل پڑھ کر ہجرت شروع کی۔ غالباً وہاں سعی ندی ہے' اسے عبور کر کے اور دُور دراز کا طویل سفر کر کے افغانستان کے راستے سے سرحد میں داخل ہوئے اور بالاکوٹ میں جاکر جامِ شہادت نوش کیا۔ بالاکوٹ ایبٹ آباد سے چالیس پینتالیس میل دُور ہے۔

یہ خالص اسلامی تحریک تھی اور ہندو کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ البتہ مولانا مدنی نے اپنی خود نوشت سوانح حیات "نقشِ حیات" میں لکھا ہے' بلکہ وہ خطوط بھی شائع کر دیئے ہیں جو سید صاحب نے ہندوستان کے ہندو راجاؤں اور مہاراجاؤں کو لکھے تھے کہ ہم ہندو اور مسلمان بہت عرصے سے یہاں رہ رہے تھے' ہمارے درمیان کوئی جھگڑے نہیں تھے' کوئی فساد نہیں تھا' بلکہ امن کے ساتھ رہ رہے تھے' اب جبکہ انگریز سات سمندر پار سے آگئے ہیں اور انہوں نے آکر تختِ حکومت پر قبضہ جمالیا ہے تو ہمیں مل جل کر ایک متحدہ محاذ بنا کر انہیں یہاں سے نکالنا چاہئے۔ سید صاحب کی سکیم تو یہ تھی کہ پہلے پنجاب اور سرحد کو سکھا شاہی سے نجات دلائیں اور پھر انگریزوں سے دو دو ہاتھ کریں' پھر یہ کہ ہندوستان کے اندر سے بھی مسلمان بغاوت کریں گے اور ادھر سے پیر پگاڑا اپنی حروں کی فوج لے کر پنجاب میں ان سے مل جائیں گے' لیکن یہ سکیم کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی۔ یہ جہادِ آزادی ۱۸۲۶ء سے ۱۸۳۱ء تک ہوا' جو کہ خالصتاً مسلمانوں نے شروع کیا اور جس میں کوئی ہندو شامل نہ تھا' اگرچہ وہ اپنے نیک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے ۔

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میؔر
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا!

جن فرزندانِ توحید نے اس جہاد میں اپنی جانیں دے دیں' ان کے لئے سرخروئی اور کامیابی ہی کامیابی ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی

اس کے بعد ۱۸۵۷ء میں مسلمان اور ہندو دونوں انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ کوشش بھی ناکام ہوگئی۔ اگر آپ بُرا نہ مانیں تو عرض کروں کہ اس ناکامی میں کافی بڑا دخل پنجاب کے مسلمانوں کا ہے۔ کیونکہ پنجاب کے مسلمان کو انگریز نے آکر سکھاشاہی سے نجات دلائی تھی' لہٰذا پنجاب کا مسلمان انگریز کا ممنونِ احسان تھا۔ سندھ میں انگریز نے آکر مسلمان سے حکومت چھینی تھی' لہٰذا سندھی مسلمانوں میں انگریز کے خلاف بغاوت اور نفرت کے آثار آخری وقت تک قائم رہے۔ حُروں نے انگریزوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا اور یہ سلسلہ آزادی سے پہلے تک یعنی ۴۵۔۱۹۴۴ء تک اس طرح جاری رہا کہ آج فلاں سٹیشن جلادیا' آج فلاں تھانے پر حملہ کر دیا۔ ان کی یہ شورش آخری وقت تک چلتی رہی۔ پنجاب میں معاملہ اس کے بر عکس تھا' کیونکہ سکھاشاہی اور انگریز کی قانونی عملداری میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ انگریزوں کے آنے کے بعد اس طرح کی بدامنی نہیں تھی' لہٰذا پنجابی مسلمان انگریز کے وفادار ثابت ہوئے۔ نہ صرف پنجاب کے مسلمان بلکہ سرحد کے بھی وسطی اضلاع مردان' پشاور اور کوہاٹ کے مسلمانوں کا معاملہ بھی یوں ہی تھا۔ کیونکہ سرحد کے ان تین اضلاع پر بھی اسی طریقے سے سکھوں کا تسلط تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے لوگ بھی انگریز کے بہت وفادار ثابت ہوئے۔ یہاں تک کہ پنجاب اور سرحد کے تین اضلاع سے تو انگریزوں کو بہترین فوج ملی تھی' بلکہ پنجاب رجمنٹ نے تو جاکر دلّی انگریزں کو واپس فتح کر کے دی ہے' ورنہ دلّی انگریزوں کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ اسی مسلمان فوج نے اس صدی میں جنرل ایلن بی کے ہاتھ پر یروشلم فتح کروایا تھا۔ یہودیوں کے مرکز یعنی اسرائیل کے بننے کی ابتداء اس صدی کے آغاز میں ہوگئی تھی اور اس ضمن میں جنرل ایلن بی کی مدد کرنے والی ہندوستان کے مسلمانوں کی فوجیں تھیں۔ بہر حال یہ تلخ بات ہے۔ اگر ان

مسلمانوں کا انگریزوں کے ساتھ وفاداری کا معاملہ ہوا ہے تو اس کا سبب بھی میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی جب ناکام ہو گئی تو اب تاجِ برطانیہ کی براہِ راست حکومت کا دَور آ گیا۔ اس سے پہلے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلّط تھا۔ یہ تجارتی کمپنی تھی اور اس کے گورنر جنرل ہوتے تھے۔ اب وائسرائے کا تقرر شروع ہوا۔ تاجِ برطانیہ اور ملکہ وکٹوریہ کے براہِ راست زیر تسلّط ہم ۱۸۵۷ء کے بعد آئے ہیں۔ اب یہ فرق واقع ہوا کہ حکومت اب تلوار سے نہیں بلکہ قلم سے ہوتی تھی۔ ایک وائسرائے نے یہ الفاظ کہے تھے کہ : "Will you be governed by sword or by pen?" یعنی ہندوستانیو! سوچ لو! تم کیا چاہتے ہو کہ ہم تم پر تلوار سے حکومت کریں یا قلم سے؟ اگر تم بغاوت کرتے رہو گے تو ہم تمہارا ستیاناس کرتے رہیں گے' لیکن اگر تم چاہتے ہو کہ ہم قلم سے حکومت کریں تو تم پُر امن رہو' تم بغاوت مت کرو' آرام سے بیٹھے رہو' ہماری حکومت کو تسلیم کرو اور ہم سے وفاداری کا معاملہ کرو' پھر ہم بھی قلم سے اور قانون سے حکومت کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو کی عددی اکثریت سامنے آ گئی۔ جب قلم کی حکومت ہو گئی تو معاملہ عدد کا ہو گیا' تلوار کا معاملہ تو اب نہیں رہا۔ اب تو میونسپل الیکشن ہو گا تو one man one vote کا معاملہ ہو گا۔ یعنی ہندوؤں پر ہم نے ہزاروں برس بزورِ شمشیر حکومت کی تھی' اب شمشیر تو نیام میں چلی گئی۔ پہلے فوج عوامی ہوتی تھی۔ یعنی پورے قبیلے میں سے جو بھی جوان ہیں وہ لڑنے والے ہیں۔ لیکن اب فوج Specialized job بن گئی' سٹینڈنگ آرمیز ہیں' جن کے لمبے چوڑے ہتھیاروں کے سلسلے ہیں' جبکہ عام انسان تو نہتے ہو گئے۔ اگر کسی درجے میں معاملہ خود اختیاری کا ہو اور اگر کوئی لوکل گورنمنٹ کی کوشش بھی ہو تو وہ ووٹوں کی بنیاد پر ہو گی اور ووٹ ہندوؤں کے ہم سے زیادہ ہیں۔ لہٰذا ہندوؤں کی عددی اکثریت کا ظہور ہونا شروع ہو گیا۔

ہندو اور مسلمانوں کا مختلف طرزِ عمل

اس اہم ترین نکتے کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ انگریز کی آمد پر ہندوستان کے مسلمانوں

کاردِّعمل کچھ اور تھا' ہندو کاردِّعمل کچھ اور تھا۔ جیسے کہ سندھ کے مسلمانوں کاردِّعمل کچھ اور تھا اور پنجاب کے مسلمانوں کا کچھ اور تھا۔ پنجاب میں انگریزوں نے آکر مسلمانوں کو سکھا شاہی سے نجات دلائی تھی' لہٰذا وہ پنجابیوں کے لئے نجات دہندہ تھا۔ سندھ میں انہوں نے تالپوروں سے حکومت چھینی تھی' لہٰذا ان کے خلاف دشمنی تھی' کیونکہ وہ غاصب تھا۔ لیکن اس سے بڑے پیانے پر پورے ہندوستان کی سطح پر ہندو کا طرزِ عمل اور ردعمل کچھ اور تھا' مسلمان کا کچھ اور تھا۔ اس طرزِ عمل کے فرق کے بنیادی اسباب یہ تھے۔

(۱) انگریزوں کی آمد ہندو کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی' صرف آقاؤں کی تبدیلی کا معاملہ تھا' وہ پہلے مسلمانوں کے غلام تھے' اب انگریزوں کے غلام ہو گئے۔ ان کے لئے کوئی بڑی تبدیلی تو نہیں آئی' جبکہ مسلمان پہلے حاکم تھے اب محکوم ہو گئے۔ اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جو حاکم سے محکوم بنے اس میں انتقامی جذبہ ہوتا ہے' لہٰذا انگریز کو مسلمانوں سے خوف لاحق تھا۔ مسلمانوں کی اجتماعی یادداشت میں سے یہ چیز نکل نہیں سکتی کہ ہم یہاں حاکم تھے۔ انگریز جانتا تھا کہ مسلمان کے خمیر میں بغاوت موجود ہے' لہٰذا اس نے مسلمان کو پیچھے ہٹایا اور ہندو کو آگے بڑھایا۔

(۲) ہندو صرف ہندوستان میں تھا' جبکہ مسلمان تو ایک عالمی برادری کے افراد تھے' اور پورے عالم اسلام پر مغربی استعمار جو ستم ڈھا رہا تھا' ہندوستان کا مسلمان ان کا حمایتی بن کر کھڑا ہو تا تھا۔ اگر ترکی میں خلافت کا معاملہ ختم ہو رہا ہے تو ہندوستان کا مسلمان اٹھ کھڑا ہوا ہے اور تحریک چلا رہا ہے۔ تریپولی میں اگر کوئی بچی شہید ہو گئی ہے تو علّامہ اقبال اس پر نظم لکھ رہے ہیں؎

فاطمہ تُو آبروئے مِلّتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مُشتِ خاک کا معصوم ہے!

اسی طرح شبلی' حالی' حمید الدین فراہی اور علامہ اقبال سب کا یہی معاملہ تھا۔ ظاہر بات ہے کہ انگریز کی حکومت تو سارے بّرِاعظموں میں پھیلی ہوئی تھی۔ جن کو اب عرب امارات کہتے ہیں یہ علاقہ crucial state کہلاتا تھا اور یہاں بھی پوری خلیج پر انگریزوں نے

قدم جمائے ہوئے تھے۔ عدن بھی ان کے زیر نگیں تھا۔ دنیا کے نقشے کے اوپر جو بھی اہم مقامات(Key Points) تھے وہ انہی کے کنٹرول میں تھے۔ پھر آگے چل کر نہر سویز انہی کے پاس تھی' مصر اور عراق بھی ان کے زیر تسلط تھے۔ لہٰذا ان کو مسلمانوں سے زیادہ خوف تھا۔ واقعتاً پوری دنیا کے مسلمانوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر جذبۂ ملّی ہندوستان کے مسلمانوں میں تھا۔ لہٰذا انگریزوں نے انہیں دبا کر رکھا۔

(۴) ہندو اپنے کلچر اور مذہب سے پہلے ہی کافی دُور آ چکے تھے' جبکہ مسلمانوں کو اپنی تہذیب وتمدن اور کلچر پوری طرح یاد تھا کہ ہماری اپنی تہذیب وتمدن اور ثقافت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں میں ایک اختلاف رائے ہو گیا۔ علماء کی جو زیادہ مؤثر قوت تھی انہوں نے انگریزوں سے عدم تعاون کی روش اختیار کی کہ نہ انگریزی پڑھیں گے' نہ انگریزوں کی ملازمت کریں گے اور نہ انگریزی علوم سیکھیں گے۔ گویا کہ انگریزی کا ٹوٹل بائیکاٹ کیا گیا۔

یہ Passive Resistance کی ایک شکل ہوتی ہے کہ ان حاکموں کے ساتھ ہم کوئی معاملہ و معاہدہ نہیں کریں گے' ان کی خدمت' چاکری یا ملازمت کچھ بھی نہیں کریں گے۔ لیکن مسلمانوں میں ایک شخصیت سر سید احمد خان کی ابھری' جس نے کہا کہ یہ احمقانہ بات ہے' اس پر اگر تم نے عمل کیا تو ہندو تم پر چھا جائے گا' تم محض سقّے یا قصاب رہ جاؤ گے یا پلّے دار ہو گے' اس کے علاوہ ہندوستان میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔ لہٰذا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے' بلکہ انگریزی سیکھو اور انگریزی پڑھو۔ انگریز کے قریب بھی آؤ تاکہ انگریز جو حقوق دے رہا ہے اس میں سے اپنا حصہ حاصل کر سکو' انگریزی ملازمتوں میں سے اپنا حصہ حاصل کرو۔ "اسبابِ بغاوتِ ہند" سر سید احمد خان کی بہت بڑی تصنیف ہے۔ یہ لکھ کر انہوں نے انگریزوں کو بتانا شروع کیا کہ تم مسلمانوں سے دشمنی نہ کرو' مسلمان تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں سے یہ کہا کہ انگریزی پڑھو اور اس تہذیب کے اندر جو بھی اچھّی چیزیں ہیں انہیں اختیار کرو' البتہ اپنے اسلام پر قائم رہو۔ اس ضمن میں انہوں نے علی گڑھ میں مدرسہ قائم کیا' جو بعد ازاں کالج اور پھر یونیورسٹی بنا۔ وہ درحقیقت اس مکتبۂ فکر کی اشاعت تھی۔

اس سے گویا کہ مسلمان دو دھاروں میں تقسیم ہو گئے۔ علماء کا معاملہ ترکِ موالات اور عدمِ تعاون کا رہا کہ انگریزی پڑھیں گے نہ انگریزی تہذیب کی کسی شے کو اختیار کریں گے۔ نفرت کا یہ عالم تھا کہ کسی نے اگر چمچ استعمال کر لیا تو کہتے کہ کرستان (کرسچین) ہو گیا کہ چمچ سے کھانا کھاتا ہے۔ اسی طرح کسی نے میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھایا تو بھی کرستان ہو گیا۔ علماء کہتے کہ انگریزی تہذیب کا کوئی شائبہ بھی ہمارے اندر نہیں آنا چاہئے۔ اور ہم تو اپنے مدرسوں اور مسجدوں میں بیٹھ جائیں گے اور قال اللہ و قال الرّسول کہتے رہیں گے۔ اس کے برعکس ہندو مِن حیث القوم مجموعی حیثیت سے آگے بڑھا' کیونکہ انہوں نے انگریزی اور سائنس پڑھی۔ اس معاملے میں سب سے بڑھ کر بنگال کا ہندو تھا۔ آپ کو شاید اندازہ نہ ہو کہ بنگال کے ہندو سائنسز کے اندر اس بلندی پر پہنچے ہیں کہ پارٹیشن سے پہلے پنجاب میں انجینئرنگ اور میڈیسن کی تمام کتابیں بنگال کے ہندوؤں کی لکھی ہوتی تھیں۔ چیٹرجی اور بینرجی سب کے سب مصنّف بنگالی ہندو تھے۔ انہوں نے سائنسی علوم حاصل کئے' انگریزی زبان پڑھی' اور وہ انگریزوں کے قریب بھی آئے جس سے وہ سرکاری ملازمتوں کے علاوہ وکالت اور تجارت کے شعبوں میں بھی آگے نکل گئے۔

اس سے معاملہ یہ رُخ اختیار کر گیا کہ وہ جو اندیشہ تھا کہ مسلم قوم دب کر رہ جائے گی وہ اندیشہ بالکل حقیقت کی صورت اختیار کر کے سامنے آ گیا۔ ہندو کے غلبے سے طاقت کا توازن بگڑا۔ مسلمان دب گئے تو بہت سے لوگوں نے سرسید کی بات سنی اور پھر اسی فکر کے تحت اسلامیہ کالج لاہور' اسلامیہ کالج پشاور' اور کئی جگہ اسلامیہ ہائی سکول اور کالج کھل گئے۔ سرسید احمد خان نے مسلمانوں کو کہا کہ آؤ' پڑھو ورنہ تمہاری حیثیت کیا رہ جائے گی' تم تو پلّے دار' قصاب یا دودھ بیچنے والے رہ جاؤ گے' باقی نہ تمہارا سرکاری ملازمت میں کوئی حصّہ ہو گا اور نہ ہی تم کسی تعلیم کے میدان میں آگے نکل سکو گے۔ اس سے مسلمانوں کے اندر ہندو اکثریت کا خوف پیدا ہوا۔

واقعہ یہ ہے کہ جیسے ہی ہندو ابھرا اُس کے اندر اپنے مذہب کو بھی از سرِ نو زندہ کرنے اور مسلمانوں سے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ لینے کا جذبہ بھی ابھر آیا۔ ظاہر بات ہے شکست کا بدلہ تو انہوں نے لینا تھا۔ آپ یاد کیجئے اگر موتی لعل نہرو کی پوتی اور جواہر

لعل نہرو کی بیٹی اندرا گاندھی یہ کہہ سکتی ہے کہ "ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ لے لیا ہے" تو آپ اندازہ کیجئے کہ مونجے اور ساورکر اور بڑے بڑے کٹر قسم کے ہندو جو مسلمانوں کے کھلے دشمن تھے' ان کے ذہن' فکر اور احساسات کی کیفیت کیا ہو گی؟ پھر شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع ہو گئیں۔ آریہ سماج' سوامی دیانند سرسوتی اور سوامی شردانند میدان میں آگئے اور انہوں نے حضور ﷺ کی سیرتِ مطہرہ پر حملے شروع کر دیئے۔ یوں سمجھئے کہ ہندو امپریلزم کا عفریت چنگھاڑتا ہوا اٹھا جس کی وجہ سے عام مسلمانوں نے اس کے خطرے کو محسوس کر لیا۔ یہی خوف تھا جو تحریک پاکستان کی بنیاد بنا۔ سورۃ الانفال کی آیت ۲۶ میں اس صورت حال کی عکاسی موجود ہے۔

﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ (الانفال : ۲۶)

"یاد کرو وہ وقت جب کہ تم تعداد میں کم تھے اور تمہیں زمین میں بے زور سمجھ لیا گیا تھا (ہندوؤں نے معاشی و سیاسی میدان میں تمہیں دبا لیا تھا) اور تمہیں اندیشہ تھا کہ لوگ تمہیں اچک لیں گے' پھر اللہ نے تمہیں جائے پناہ دی (تمہیں پناہ گاہ کے طور پر پاکستان عطا کر دیا) اور اپنی خصوصی نصرت سے تمہاری تائید فرمائی اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا' تاکہ تم شکر گزار بنو"۔

بہر حال یہ حالات تھے جن میں بیسویں صدی کا آغاز ہو رہا تھا۔ بیسویں صدی عیسوی میں جو عظیم ترین شخصیت ابھر کر سامنے آئی وہ شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا ہیں' جو میرے نزدیک اب تک سلسلہ مجدّدینِ اُمّت کی آخری کڑی ہیں اور اب پندرہویں صدی ہجری کے مجدّد حضرت مہدی ہوں گے۔

تحریک ریشمی رومال کی ناکامی

چودھویں صدی کے مجدّدِ اعظم شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے آزادی کے لئے انہی خطوط پر منصوبہ بندی کی تھی جس طرح سید احمد شہید نے منصوبہ بنایا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو جمع کر کے انگریز کو یہاں سے نکالا جائے۔ لہٰذا اس کے لئے

انہوں نے ایک تو اندرونی طور پر دعوت شروع کی' پھر بیرونی مدد لینے کے لئے خود حجاز گئے تاکہ وہاں کے گورنر کے ذریعے سے سلطنتِ عثمانیہ کے دارالخلافہ سے مدد مانگی جائے (حجاز پر ابھی تک ترکوں کا قبضہ تھا)۔ انہوں نے عبید اللہ سندھی صاحب کو کابل بھیجا کہ امیرِ افغانستان سے مدد کی درخواست کریں۔ لیکن یہ راز طشت از بام ہو گیا۔ والیٔ مکّہ شریف حسین نے شیخ الہند کو گرفتار کر کے انگریز کی خدمت میں پیش کر دیا کہ لیجئے یہ آپ کا باغی حاضر ہے۔ یہی حشر مولانا عبید اللہ سندھی کا ہونے والا تھا' انہیں پتا چل گیا اور وہ بھاگ کر روس چلے گئے۔ اس طرح یہ تحریک بھی جو ریشمی رومال کے نام سے مشہور ہوئی تھی' ناکام ہو گئی۔ انگریزوں نے شیخ الہند کو گرفتار کر کے ہندوستان کی کسی جیل میں نہیں رکھا' بلکہ پانچ سال تک مالٹا میں اسیر رکھا۔ حالانکہ گاندھی اور دوسرے تمام سیاسی قیدیوں کو ہندوستان ہی میں رکھا گیا' جبکہ ان کو بیرونِ ملک مالٹا میں مقید رکھا۔ گویا ؎

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو!

انگریز کو اندیشہ تھا کہ اگر یہ ہندوستان کی کسی جیل میں رہے تو ممکن ہے کہ ان کی سانسوں کے اثرات جیل سے باہر چلے جائیں' لہٰذا انہیں مالٹا بھجوا دیا گیا۔ ان کی شخصیت کی عظمت کا اندازہ کیجئے کہ جب مالٹا سے رہا ہو کر آئے اور بمبئی میں ان کا جہاز پہنچا تو قدم بوسی و استقبال کے لئے جو شخصیتیں حاضر ہوئیں ان میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی بھی تھے' جو اُس وقت علماءِ ہند میں عظیم ترین شخصیت تھے۔ اُس وقت دو شخصیتیں مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنؤ میں اور مولانا محمود حسن دیوبند میں عظیم ترین تھیں۔ جب ۱۹۱۹ء میں جمعیت علماءِ ہند کا تاسیسی اجلاس ہوا تو آپ جیل میں تھے' لہٰذا اس اجلاس کی صدارت مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے کی تھی۔ دوسرا اجلاس نومبر ۱۹۲۰ء میں ان کے رہا ہونے کے بعد ہوا تھا' اس کے صدر شیخ الہند مولانا محمود حسن تھے۔ ان کے استقبال کے لئے مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنؤ سے چل کر بمبئی گئے۔ دوسرا استقبالی موہن داس کرم چند گاندھی تھا جو کہ ہندوؤں کا عظیم ترین رہنما بننے والا تھا۔ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن کو پندرہویں صدی ہجری کا عظیم ترین مجدد اسی لئے کہتا ہوں۔ بہرحال انہوں نے جو بھی

کوششیں کیں وہ اپنی جگہ بہت اہم ہیں۔ میری کتاب "جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی" میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ میں اپنا روحانی رشتہ اور روحانی نسبت انہی کے ساتھ جوڑتا ہوں' جس کے درمیان میں ابوالاعلیٰ مودودی' ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال کڑیوں کی شکل میں موجود ہیں۔

ابوالکلام کو امام الہند بنانے کی تجویز

شیخ الہندؒ نے اس موقع پر یہ کہا کہ مسلمانانِ ہند! ابوالکلام آزاد کو امام الہند مان کر اُن کے ہاتھ پر بیعت کرو اور پھر خالص اسلامی جہاد شروع کرو۔ یعنی انہوں نے شہدائے بالاکوٹ کا جو حادثہ ۱۸۳۱ء میں ہوا تھا' اُس تحریک کا تسلسل از سرِ نو قائم کرنے کے لئے ابوالکلام آزاد کو امام الہند بنانے کی تجویز دی۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ علماء ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے تو ابوالکلام امام الہند بنتے۔ ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۳ء میں اپنی جماعت کی تشکیل کا آغاز کیا تھا جس کا نام حزب اللہ تھا' ۱۹۱۲ء میں الہلال نکالا اور ۱۹۱۳ء میں بیعت کی بنیاد پر حزب اللہ قائم کی۔ اب ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند نے یہ کہا کہ انہیں امام الہند مان کر اُن کے ہاتھ پر بیعت کرو اور ان کی قیادت میں انگریز کے خلاف جہاد کرو۔ بدقسمتی سے علماء نے حضرت شیخ الہند اور چودھویں صدی کے مجدّدِ اعظم کی بات پر توجّہ نہیں کی اور اسے ٹال دیا۔ میرے نزدیک یہی وہ جرم ہے جس کی پاداش میں ہندوستان کے مسلمانوں کی قیادت سے علماء معزول کر دیئے گئے اور تاحال معزول ہیں۔ اس کے بعد علماء قائد نہیں رہے بلکہ ان کا رول ثانوی رہا ہے۔ علماء کانگریس یا مسلم لیگ کے حاشیہ نشین بن گئے۔ جمعیت علماءِ ہند کانگریس کی حاشیہ نشین بن گئی اور جمعیت علماءِ اسلام' جو مولانا شبیر احمد عثمانی نے قائم کی تھی' مسلم لیگ کی حاشیہ نشین بن گئی۔ اس لحاظ سے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی آخری قائد تھے۔ ان کی رائے کو قبول نہ کر کے گویا کہ علماء نے محض ایک غلطی ہی نہیں کی' بلکہ میرے نزدیک انہوں نے دینی و روحانی اعتبار سے بہت بڑا جرم کیا۔ شیخ الہندؒ نے جو کچھ سمجھا اس کے لئے ان کا ایک قول ملاحظہ فرمائیں' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۲۰ء میں بھی حالات پر ان کی کس قدر گہری نگاہ تھی' اگرچہ اُس وقت جِدّوجُہدِ آزادی ہندو اور

مسلمان مل کر کر رہے تھے' یہاں تک کہ تحریک خلافت بھی ہندو مسلمان مل کر چلا رہے تھے اور خود گاندھی تحریک خلافت میں شامل تھا۔ اس کے باوجود حقائق پر ان کی نہایت گہری نظر تھی۔ ۱۹۲۰ء میں آپ نے ایک تقریر میں فرمایا :

> "ہاں یہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام (ہندوؤں اور مسلمانوں) کی باہمی مصالحت اور آشتی کو اگر آپ پائیدار اور خوشگوار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے' اور حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے' جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ صلح و آشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور میں کسی ادنیٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں بھی ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی فریق کی ایذا رسانی اور دل آزاری مقصود ہو۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک بہت جگہ عمل اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ مذہبی معاملات میں بہت سے لوگ اتفاق ظاہر کرنے کے لئے اپنے مذہب کی حدود سے بھی گزر جاتے ہیں' لیکن ابوابِ معاش میں ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے درپے رہتے ہیں۔ مَیں اس وقت جمہور سے خطاب نہیں کر رہا ہوں' بلکہ میری گزارش دونوں قوموں کے زعماء سے ہے کہ ان کو جلسوں میں ہاتھ اٹھانے والوں کی اکثریت اور دلنشین ریزولیوشنوں کی تائید سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے کہ یہ طریقہ سطحی لوگوں کا ہے اور ان کو ہندو اور مسلمانوں کے نجی معاملات اور سرکاری محکموں میں متعصبانہ رقابتوں کا اندازہ کرنا چاہئے"۔

یعنی ہندو اگر شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں چلائیں گے' مسلمانوں کی مسجدوں کے اوپر حملے کریں گے تو پھر ہمارے ساتھ صلح' تعاون اور اتحاد کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ گویا کہ عام مسلمان محسوس کر رہا تھا کہ ہندو میرے درپے ہے۔ ایک چپڑاسی بھی محسوس کرتا تھا کہ ہندو کو میرا وجود یہاں گوارا نہیں۔ بنیا سیٹھ پانچ لاکھ کا مال لے کر ایک دکان میں بیٹھا ہوا ہے لیکن اس کی دکان کے نکڑ پر اگر کوئی مسلمان پان کا کھوکھا لگا کر بیٹھا ہوا ہے تو وہ بھی اسے کھٹکتا ہے۔ یہ وہ شکل تھی جس کی بناء پر تحریک مسلم لیگ کامیاب ہوئی' اس کی قیادت کو مسلمانوں نے قبول کیا اور علماء کی قیادت کو رد کر دیا۔

میں بیان کرچکاہوں کہ دوسری عظیم شخصیت مولاناابوالکلام آزاد تھے۔ انہوں نے حزب اللہ قائم کی اور کوشش وہی کی کہ ۱۸۲۵ء سے ۱۸۳۱ء والے سفر کو دوبارہ شروع کیا جائے۔ بیعت کی بنیاد پر جماعت بنائی جائے جیسے کہ سید احمد بریلوی نے جماعتِ مجاہدین بنائی تھی۔ لیکن ۱۹۲۰ء میں جب شیخ الہند کی فرمائش کے باوجود علماء نے انہیں امام الہند ماننے سے انکار کردیا اور ان کی بات پر توجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوئے تو ابوالکلام بالکل مایوس ہو گئے، کہ مجھے علماء سے کسی خیر کی توقع نہیں رہی، کیونکہ ان کا جمود اور تعصب اس انتہا کو پہنچ چکا ہے اور ان کے اندر ایسی گروہ بندی آگئی ہے کہ اپنے خاص حلقے سے باہر یہ کسی شخص کی بات ماننے کو تیار نہیں۔ تب انہوں نے حزب اللہ کی بساط لپیٹی اور جاکر کانگریس میں شریک ہو گئے۔ اس کے بعد ان کی بقیہ زندگی (۱۹۲۰ء سے ۱۹۵۸ء تک) گویا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کا تسلسل ہے۔ ۱۸۲۶ء سے ۱۸۳۱ء تک شہیدین کی تحریک خالص اسلامی تحریک تھی لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ جِدّوجُہد تھی۔ اسی طریقے سے مولاناابوالکلام آزاد کے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک کے آٹھ سال تحریکِ شہیدین کا تسلسل ہیں اور ان کی بقیہ زندگی یعنی ۱۹۲۰ء سے لے کر آخری سانس تک ۱۸۵۷ء کے غدر یا بغاوت کا تسلسل ہے۔

مولاناسید حسین احمد مدنیؒ کا مؤقف

اب اس کے بعد شیخ الہندؒ کے جانشین مولاناسید حسین احمد مدنیؒ بنے۔ مَیں ان کے علم، تدیّن، تقویٰ، زہد اور مجاہدانہ کردار کا بے انتہا معترف ہوں۔ تاہم ان کے اندر حالات کو سمجھنے کی صلاحیت اتنی نہیں تھی جتنی شیخ الہند میں تھی۔ شیخ الہند اُس وقت کہہ رہے ہیں کہ اگر ہندو اور مسلمانوں کے مابین ایذا رسانی کا سلسلہ برقرار رہا اور اسی طرح کی کشاکشی جاری رہی تو پھر ہمارا ساتھ نہیں چل سکے گا۔ لیکن مولاناحسین احمد مدنی نے اپنی کتاب "نقشِ حیات" میں لکھا ہے کہ ہم تو مقلد ہیں، ہم نے تو وہ راستہ اختیار کیا ہے جو حضرت سید احمد بریلویؒ اور پھر شیخ الہندؒ نے کیا تھا۔ حالانکہ شیخ الہند تو کہہ گئے تھے کہ ہماری ایذا رسانی کا سلسلہ جاری رہا تو ہم ساتھ نہیں چل سکیں گے۔ لیکن حسین احمد مدنی اور ان

کی جماعت جمعیت علماءِ ہند نے یہ موقف اختیار کیا کہ پہلے ہمیں ہندو کے ساتھ مشترکہ جدّوجُہد کرکے انگریز سے نمٹنا ہے۔

جمعیت علماءِ ہند بہت بڑی اور بہت قوی جماعت تھی۔ اس کا دائرۂ اثر پورے ہندوستان کے شمال وجنوب اور مشرق ومغرب میں پھیلا ہوا تھا۔ اس مشترک جدّوجہد کو آپ متحدہ قومیت کہہ لیں' کیونکہ یہ بھی کوئی حرام شے نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا حسین احمد مدنی نے کہا کہ آج کے زمانے میں قومیں وطن کی بنا پر بنتی ہیں' جیسے کہ حضور ﷺ نے میثاقِ مدینہ کا معاملہ کیا تھا کہ یہودی اور مسلمانوں نے مل کر چونکہ قریش کا مقابلہ کرنا تھا' لہٰذا وہ ایک اُمّت بن گئے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ ایسے ہی انگریزوں کو یہاں سے نکالنے کے لئے ہندو اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر آنا چاہئے۔ انہوں نے اس موقف کی بنیاد پر مسلم لیگ کی مخالفت کی اور تحریک پاکستان سے اختلاف کیا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ انگریز کو نکالنے کے بعد ہندو سے ہم نمٹ لیں گے۔ اس کا سبب کیا تھا؟

اوّلاً یہ کہ انہوں نے کہا کہ ہم تو مقلد ہیں' ہم تو اسی سید احمد بریلوی اور شیخ الہند کے تسلسل پر چل رہے ہیں۔

ثانیاً یہ کہ ان میں انگریز دشمنی اتنی شدید تھی کہ اس دشمنی کی وجہ سے انہیں ہندو کے خوفناک عزائم نظر ہی نہیں آئے۔ جیسے حضور ﷺ کا ارشاد ہے ((حُبّک الشّیْءَ یُعْمِیک و یُصِمّ)) یعنی تمہارا کسی شے سے محبت کرنا تمہیں اندھا بہرہ بنا دیتا ہے۔ اسی طرح کسی کی دشمنی بھی انسان کو اندھا بہرہ بنا دیتی ہے۔ چنانچہ انہیں ہندوؤں کے عزائم نظر نہیں آئے اور انہیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہوا کہ ان کے اندر کیا شے پروان چڑھ رہی ہے' اور یہ کہ ہندو کی نظر میں مستقبل کا ہندوستان کس طرح ہے اور وہ مسلمانوں سے کس قسم کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔

ثالثاً یہ کہ جو آدمی مخلص ہوتا ہے اسے اپنے اوپر اعتماد بہت ہوتا ہے۔ میرے نزدیک مولانا مدنی اور ان کے ساتھیوں کو اپنے اوپر اعتماد تھا کہ ہم ہندو سے نمٹنے کی حیثیت رکھتے ہیں' ہندو ہمارے لئے چیلنج نہیں ہے' کیونکہ ہندو پر ہم نے سینکڑوں سال تک حکومت کی ہے۔ حالانکہ اب زمین و آسمان کا فرق واقع ہو چکا تھا۔ اُس وقت تلوار چلتی

تھی' آج مسلمان ہندو کے مقابلے میں تلوار نہیں چلا سکتا تھا' کیونکہ اب معاملہ کلیتاً بدل چکا تھا اور پورا کا پورا نقشہ تبدیل ہو چکا تھا۔

عام مسلمان اور علماء کے معاملات میں فرق

یہ بات ذرا باریک سی ہے۔ چونکہ میں نے عرض کیا کہ ایک چپڑاسی اور پٹواڑی مسلمان بھی محسوس کر رہا تھا کہ ہندو مجھے گوارا کرنے کو تیار نہیں ؎

میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح!

لیکن ظاہربات ہے کہ علماء کا ہندوؤں سے کسی معاشی میدان میں مسابقت یا مقابلہ نہیں تھا' علماء تو مدرسوں میں خدمت کر رہے تھے' انہیں جو بھی تھوڑی بہت تنخواہ ملتی تھی وہ مسلمانوں کے چندوں سے ملتی تھی۔ لیکن جو سرکاری ملازمت میں تھے انہیں نظر آ رہا تھا کہ ہندو کا طرزِ عمل کیا ہے؟ اس کے علاوہ جو لوگ بازار میں کام کر رہے تھے انہیں معلوم تھا کہ ہندو کیا چاہتا ہے۔ علماء کرام کی چونکہ ہندو کے ساتھ معاشی اعتبار سے نہ کوئی مسابقت تھی اور نہ کوئی مقابلہ' لہٰذا انہیں ان کی ذہنیت کا صحیح اندازہ نہیں ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ مسلم لیگ اور پاکستان کے خلاف ڈٹے رہے۔ لیکن عوام کا ہندوؤں کے بارے میں جو تأثر' تجزیہ اور تجربہ تھا اس کی بناء پر عوام نے ان پاکستان مخالف علماء کی قیادت کو ترک کیا اور قائداعظم جیسے داڑھی منڈے شخص کی قیادت کو قبول کیا' عوام نے مسلم لیگ کی اس قیادت کو قبول کیا جو کہ مذہبی لوگوں پر مشتمل نہیں تھی' اس لئے کہ ان لوگوں کا تجربہ تھا کہ ہندو کے عزائم کیا ہیں' ہندو کیا سوچ رہا ہے اور ہندو کیا چاہتا ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ ہندو ان سے کسی طرح کا انتقام لینا چاہتا ہے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ علامہ اقبال کی شخصیت نے ایک اضافہ یہ کیا کہ انہوں نے آ کر ہندوستان کے مسلمانوں میں احیائے اسلام کا صور پھونک دیا۔ انہوں نے پاکستان کی بشارت دی کہ یہ تقدیرِ مبرم ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو گی تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ ہم خلافتِ راشدہ کا نظام دنیا میں قائم کر کے اس کا ایک نمونہ دنیا کو دکھا دیں۔ ؎

کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے!

علامہ اقبال کے صور پھونکنے کی وجہ سے اب مسلم لیگ میں مثبت اور منفی دونوں چیزیں جمع ہو گئیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ دو تار مثبت اور منفی چلتے ہیں تو کرنٹ دوڑتا ہے' صرف ایک تار سے کرنٹ نہیں دوڑتا' چاہے مثبت ہو یا منفی۔ ہندو کا خوف ایک منفی جذبہ تھا' جبکہ اسلام کے احیاء' تجدیدِ ملّت اور نظامِ خلافت کے قیام کا جزو مثبت جذبہ تھا۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر!

جب یہ مثبت اور منفی جذبہ مل گیا تو اسلامیانِ ہند کے اندر کرنٹ دوڑ گیا' تمام مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے' انہوں نے علماء کرام کی بات کو رد کر دیا اور ان کی قیادت کو مسترد کر دیا۔

مولانا مودودی کا اختلاف

اسی دور میں ایک اور شخصیت ابھر کر سامنے آئی' وہ مولانا مودودی کی شخصیت تھی۔ مولانا مودودی گویا کہ دو اشخاص علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد کے معنوی جانشیں ہیں۔ علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء کے خطبے میں مسلم قومیت کا جو صور پھونکا تھا مولانا مودودی اس کو لے کر کھڑے ہوئے۔ وہ مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے علمبردار بن کر اٹھے اور متحدہ قومیت کی زبردست مخالفت کی۔ مولانا مودودی علامہ اقبال کے اس فکر کو بڑے وسیع پیانے پر سلیس اردو نثر میں پھیلانے کا ذریعہ بنے جس سے تحریک پاکستان اور تحریک مسلم لیگ کو تقویت حاصل ہوئی۔

دوسری طرف انہوں نے ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی بنائی۔ اس لئے کہ وہ مسلم لیگ کی قیادت سے مایوس ہو گئے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اس خالص قومی قیادت کے نتیجے میں اسلام نہیں آسکتا' صرف ایک قومی ریاست وجود میں آسکتی ہے۔ ان کی یہ بات صحیح بھی تھی۔ خود علامہ اقبال بھی یہی بات سوچ رہے تھے۔ وہ ۱۹۳۰ء کے خطبہ میں پاکستان کی بشارت دے چکے تھے۔ اقبال مسلم لیگ کے ورکر اور آفس بیئرر تھے' لیکن ان کے ذہن

میں ایک ایسی جماعت کے قیام کا خیال بھی تھا جو بیعت کی بنیاد پر ہو اور جس کا انتخابات سے کوئی تعلق نہ ہو' تاکہ اسلام کے ساتھ عملی تعلق کو مقدّم رکھا جائے۔ اس کی تفصیل ہم "علامہ اقبال کی آخری خواہش" کے نام سے کتاب میں شائع کر چکے ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے ایسی جماعت "جماعت اسلامی" کے نام سے قائم کر دی۔

بحث کا خلاصہ

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک علماء کا تعلق ہے' معاذ اللہ ثم معاذ اللہ' نہ وہ انگریز کے زر خرید تھے نہ ہندو کے ایجنٹ' نہ وہ خائن تھے' نہ بد دیانت اور نہ مسلمانوں کے غدار تھے۔ وہ پوری طرح مخلص تھے۔ ان کا اختلاف اس بناء پر تھا کہ : قیامِ پاکستان کی جدّوجہد کرنے والے یہ لوگ اسلام اسلام کا نعرہ لگا رہے ہیں جبکہ یہ اسلام نہیں لائیں گے' اور یہ بات صحیح ثابت ہوئی۔ مولانا مودودی بھی تو اسی ایشو پر تحریک پاکستان سے علیحدہ ہوئے تھے۔ انہوں نے جماعت اسلامی اسی لئے بنائی کہ مسلم لیگ کی قیادت سے اسلام کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی تھی اور ان کی یہ بات وزنی بھی تھی۔

وہ کہتے تھے کہ اس وقت جو معروضی حالات ہیں' ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ اسلام کا نظام قائم کر سکیں۔ لہٰذا ہو گا یہ کہ صرف منفی نتیجہ نکل آئے گا کہ ہندو متحد رہے گا اور مسلمان تین حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور ان کی طاقت کمزور ہو جائے گی۔ یہ صورت حال صد فیصد آپ کے سامنے ہے' متحدہ ہندوستان کا مسلمان واقعتاً تین حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ چودہ کروڑ مسلمان پاکستان میں ہیں' پندرہ کروڑ بنگلہ دیش میں اور بیس کروڑ ہندوستان میں ہیں۔ اب وہ ایک دوسرے کی مدد تو نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے درمیان سرحدیں حائل ہیں۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے کہا تھا کہ پچیس سال سے زیادہ یہ دو پاکستان (مشرقی و مغربی) ساتھ نہیں رہ سکتے اور تاریخ نے ثابت کر دیا کہ پچیس برس ابھی پورے نہیں ہوئے تھے' سوا چوبیس برس میں ہم علیحدہ ہو گئے۔ اور جس طرح علیحدہ ہوئے وہ آپ کے سامنے ہے' کس قدر خونریز اور دلگداز علیحدگی تھی' اس علیحدگی پر کتنا خون بہا ہے' کتنی بڑی شکست کا کلنک کا ٹیکہ ہمارے ماتھے پر لگا ہے اور کس طرح ہمارے

۹۳ ہزر جوان ہندو کے ہاتھوں قیدی بنے ہیں۔

جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے میں مسلم لیگ کے موقف کو صحیح سمجھتا ہوں۔ میں آج بھی سمجھتا ہوں کہ پاکستان کا قیام درست تھا۔ یہ مشیتِ ایزدی ہے جس کے تقاضے کے تحت پاکستان وجود میں آیا۔ لیکن یہ کہ میں تحریک پاکستان کے مخالفین کو بے ایمان یا غیر مخلص نہیں سمجھتا۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ وہ ہندو کے زر خرید تھے۔ مسلم لیگ کی تحریک کے زمانے میں عام مسلم لیگی اور آج بھی کچھ لوگ ان کے بارے میں اچھے خیالات نہیں رکھتے۔ جان لیجئے' وہ لوگ مخلص تھے' ان کی اپنی ایک رائے تھی جس کی بنیاد پر انہوں نے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ اب تک تو ہم نے ان کی رائے کو صحیح ثابت کیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں جب تحریک پاکستان کے حامی اور مخالفین (for and against) کا موازنہ کرتا ہوں تو مجھے تحریک کے حامیوں کا پلڑا بھاری نظر آتا ہے کہ ابھی اس ملک میں احیائے اسلام کا امکان تو ہے۔ اگر پاکستان وجود میں نہ آتا تو اس کا امکان ہی نہ رہتا' جیسے کہ ہندوستان کے اندر تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ـــــ بہرحال میرے نزدیک عوام کا فیصلہ زیادہ صحیح اور حقائق پر مبنی تھا۔ مسلم لیگ اور علامہ اقبال کا موقف صحیح تھا۔

تحریک پاکستان کے مخالف علماء کے خلوص کی دلیل

تحریک پاکستان کے مخالف علماء میں چاہے ابوالکلام آزاد ہوں' مولانا مدنی ہوں یا مولانا مودودی یا اور کوئی ہوں' میں ان سب کو مخلص سمجھتا ہوں۔ ان کے خلوص کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب پاکستان بن گیا تو ان کا جو موقف سامنے آیا وہ بڑا متوازن اور مبنی بر حقیقت تھا۔

ابوالکلام آزاد کا ایک واقعہ ہے کہ ابھی جب ہندوستان اور پاکستان میں لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی' پاسپورٹ کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا' کشمیر سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب' جو ایک بڑی شخصیت تھے' پاکستان آگئے' اس کے بعد وہ visit پر انڈیا گئے' وہ بڑے آدمی تھے' جواہر لعل نہرو سے بھی ملنے گئے۔ نہرو نے ان سے کہا کہ آپ

خواہ مخواہ پاکستان چلے گئے' واپس آجائیں' ہم آپ کو کسی مسلمان ملک میں سفیر بنا کر بھیج دیں گے۔ اس پیشکش پر انہوں نے کچھ آمادگی کا اظہار کیا۔ اگلے روز ان کی ملاقات مولانا آزاد سے ہوئی' مولانا آزاد کو شاید اندازہ ہو گیا تھا کہ پنڈت جی سے ان کی کیا بات ہوئی ہے؟ پوچھا : پنڈت جی سے ملاقات ہوئی؟ کیا بات ہوئی؟ انہوں نے یہ بات بتادی۔ مولانا ابوالکلام فرمانے لگے : نہیں حضرت! جب تک پاکستان بنا نہیں تھا اور بات تھی' اب پاکستان کی عزت کے ساتھ اسلام کی عزت وابستہ ہے' لہٰذا اب آپ پاکستان میں رہیں اور اسے مضبوط بنائیں۔

مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہماری ایک قرآن کانفرنس میں مولانا محمدؒ ادریس کاندھلویؒ کے صاحبزادے مولانا محمدؒ مالک کاندھلویؒ نے سنائی تو میں وہیں پر چیخ پڑا کہ مولانا! آپ یہ باتیں کہاں اپنے سینوں کے اندر لے کر بیٹھے ہوئے ہیں' انہیں کیوں عام نہیں کرتے؟ آج بھی مسلم لیگی مولانا مدنی کو گالی دیتا ہے۔ انہوں نے واقعہ بیان کیا کہ قیام پاکستان کے بعد ڈابھیل کے مدرسے میں مولانا مدنی آئے ہوئے تھے' وہاں مولانا محمدؒ مالک کاندھلوی خود موجود تھے۔ یہ کوئی لمبی روایت نہیں' بلکہ وہ براہ راست اس مجلس کے شریک ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ وہاں کسی صاحب نے مولانا حسین احمد مدنی کو چھیڑنے کے لئے پاکستان کا ذکر چھیڑ دیا کہ مولانا مدنی غصے میں پاکستان کو کوسیں گے یا کچھ برا بھلا کہیں گے۔ لیکن مولانا مدنی نے فرمایا :

> "میرے بھائی! جب تک مرحلہ کسی مسجد کی تعمیر کی تجویز کا ہوتا ہے تو اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے کہ یہاں مسجد کی ضرورت ہے یا نہیں ہے۔ قریب میں اگر مسجد ہے تو ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کیوں بنائی جائے۔ یا یہ کہ مسجد کس سائز کی اور کس طرح کی بنی چاہئے؟ اس میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک دفعہ جب مسجد بن جائے تو اس کی حفاظت صاحب ایمان کے ایمان کا تقاضا بن جاتی ہے۔ پاکستان جب تک بنا نہیں تھا تو ہمیں اختلاف تھا' لیکن پاکستان بننے کے بعد ہم اس کی حفاظت و استحکام کے لئے دعاگو ہیں۔" (روایت بالمعنی)

ان کے خلوص کا عالم تو یہ ہے۔ میرے نزدیک ان سے غلطی ضرور ہوئی' لیکن ان کے

خلوص میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ جو ان کے خلوص میں شک کرے مجھے درحقیقت اس کے اپنے خلوص میں شک ہے۔ ان لوگوں کا کردار بہت بلند' مجاہدانہ اور درویشانہ انداز کا تھا' ان میں کوئی دنیا پرستی کی بات تھی ہی نہیں۔

بہرحال پاکستان کے قیام سے جو صورت بنی ہے' اب بھی اللہ کا شکر ہے کہ یہاں امکان تو ہے کہ اللہ کا دین نافذ ہو جائے۔ اگر اس میں تاخیر ہو رہی ہے تو ہماری اپنی بدعملی' بے عملی' محرومی اور بدنصیبی ہے۔ سورۃ الانفال کی یہ آیت ملاحظہ فرمائیے :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾

"اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں خیانت مت کرو' جبکہ تم جانتے ہو"۔

یہ ملک اللہ کا دیا ہوا ہے' قائداعظم نے اپنے مرض الوفات میں کہا تھا کہ "یہ ملک نبی اکرم ﷺ کے روحانی فیض کے بغیر وُجود میں نہیں آ سکتا تھا"۔ یہ ہمارے پاس اللہ اور اس کے رسول کی امانت ہے' اللہ کا دین نافذ نہ کر کے اس میں ہم نے خیانت کی ہے۔ ہم نے اپنے گھر اور محل بنائے' اپنے دنیوی کیریئر کی فکر کی' اپنی دکانیں اور جائیدادیں بنائیں اور اپنے کاروبار چمکائے۔ ہم اپنے Professions کے اندر آگے سے آگے نکلے' لیکن اسلام کے لئے ہم نے کیا کیا؟ ہم نے اس اعتبار سے خیانت کی ہے اور ہم خائن ہیں۔

اختلافِ رائے کی گنجائش

جہاں تک اختلافِ رائے کا تعلق ہے تو اختلافِ رائے کی گنجائش ہمیشہ رہے گی۔ سورۂ ہود کے اخیر میں اس موضوع پر دو آیتیں بڑی عظیم ہیں۔

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ ﴾ (ھود : ۱۱۸'۱۱۹)

"آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا' مگر لوگ تو اختلاف کرتے ہی رہیں گے۔ سوائے اس کے جس پر اللہ رحم فرما دے (وہ اختلاف کی خلیج کو پاٹ دے) اور اللہ نے تو بنایا ہی انسانوں کو اس طور سے ہے (کہ ان کے اندر

اختلاف رہے گا)"۔

اللہ چاہتا تو سب اہل ایمان ہی ہوتے۔ اللہ نہ چاہتا تو کون کفر کر سکتا تھا۔ اللہ نے اجازت دی ہے تو لوگ کفر کرتے ہیں۔ اس آیت میں فرمایا : "انسان تو اختلاف کرتے رہیں گے"۔ اختلاف تو انسان کی سرشت میں ہے۔ یہ اختلاف تو ہمارے رنگوں، نقش و نگار اور زبانوں میں بھی ہے۔ ع "اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے!" اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات میں سے شمار کیا ہے۔ فرمایا :

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ ﴾ (الروم : ۲۲)

"اور اسی کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے"۔

اس اعتبار سے اختلاف گناہ نہیں ہے، ان علماء کرام کو تحریک پاکستان سے اختلاف تھا اور وہ آخری وقت تک پاکستان کی مخالفت پر ڈٹے رہے تو اس میں کسی گناہ کی بات نہیں، کیونکہ ان کا اختلاف خلوص پر مبنی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد ان کا طرزِ عمل مختلف تھا۔ البتہ پاکستان بننے کے بعد خیانت تو ہم نے کی ہے اور ان کی باتوں کو سچا ثابت ہم نے کیا ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان سوا چوبیس برس کے بعد ہی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے اور یہاں اسلام آج تک نہیں آیا۔

ہندو کی ذہنیت

ہندو کی ذہنیت اور عزائم کا اندازہ آپ اندرا گاندھی کے اس قول سے لگا سکتے ہیں جو اس نے سقوطِ مشرقی پاکستان کے موقع پر کہا تھا۔ مونجے اور ساورکر کو تو آپ بھول جایئے، سردانند اور دیانند کے کیا عزائم تھے، آر ایس ایس کے کیا عزائم تھے اور آج بھی ہیں، ان سب سے قطع نظر آپ اندازہ کیجئے کہ موتی لعل نہرو کی پوتی، جواہر لعل نہرو کی بیٹی پاکستان کو دولخت کرنے کے بعد ۱۹۷۱ء میں کہہ رہی ہے کہ "ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ لے لیا ہے"۔ اصل میں یہ ہزار سال ۹۸۰ء سے شروع ہوتے ہیں جب محمود غزنوی نے سومنات کا مندر گرایا اور ان کا بت توڑا تھا۔ محمود غزنوی اور اس کے نام

لیواؤں کو ہندو قوم کبھی معاف نہیں کر سکتی۔

"مجلس اتحاد بین المسلمین" جو ابھی حال ہی میں کچھ بزرگوں نے قائم کی ہے' اس کا اسلام آباد میں ایک جلسہ تھا' جس میں میری بھی ایک تقریر تھی' وہاں ہمارے صحافی زاہد ملک صاحب نے ایک واقعہ سنایا کہ ۱۹۵۰ء میں ہندوستان کی حکومت نے ڈی پی دھر (درگا پر کاش دھر) جو وہاں کا ایک سفارت کار تھا' اسے یہ مشن دے کر سپین بھیجا تھا کہ وہاں جا کر یہ مطالعہ کر کے آئے کہ سپین سے مسلمانوں کا خاتمہ کس طریقے سے کیا گیا تھا؟ تاکہ ہم بھی مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے وہی طریقہ کار بھارت کے اندر اختیار کر سکیں۔ یہی وہ بات ہے جو قائداعظم نے فرمائی تھی۔ اس لئے کہ ہندو کی ذہنیت کا جتنا براہ راست مشاہدہ اور تجربہ قائداعظم کو ہوا تھا مولانا مدنی کو نہیں ہوا تھا۔ مولانا مدنی کانگریس میں شامل تو نہیں تھے۔ وہاں کیا باتیں اور کیا سازشیں ہوتی تھیں انہیں تو معلوم نہیں تھا۔ ان کی جمعیت علماءِ ہند علیحدہ تھی' وہ تو اپنے خیال میں اپنا پروگرام لے کر چل رہے تھے۔ انہیں ہندو کی ذہنیت کا اندازہ نہیں تھا کیونکہ ہندو تو ہاتھ جوڑ کر پرنام اور نمستے کرتا تھا' اس کے دل کے اندر جو چھپی ہوئی بات تھی وہ معلوم نہیں ہو سکتی تھی۔ جبکہ قائداعظم ہندوؤں کے ساتھ رہے' انہوں نے پچیس برس تک ان کے ساتھ کام کیا' اور پھر جب بددل اور مایوس ہوئے تو آپ نے حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں خواتین کے جلسے میں ۱۸ جنوری ۱۹۴۶ء کو اردو میں تقریر کی' جس کی خبر سول اینڈ ملٹری گزٹ میں بایں الفاظ شائع ہوئی :

> *"If we do not succeed in our struggle for Pakistan the very trace of Muslims and Islam will be oblitrated from the face of India."*
>
> (اگر ہم پاکستان کی جدوجہد میں کامیاب نہ ہو سکے تو ہندوستان کے صفحۂ ہستی سے اسلام اور مسلمان کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا)

یہ قائداعظم کا صحیح اندازہ تھا۔ ایک صاحب نے بڑے درد بھرے انداز میں آ کر مجھ سے کہا کہ اس وقت انڈیا کے ٹی وی پر روزانہ مذاکرے ہو رہے ہیں۔ یہ مذاکرے نو بجے رات ہمارے پرائم ٹائم کے وقت آتے ہیں۔ ان مذاکروں میں سیاست دان' سابقہ کمانڈر

انچیف اور پرانے فوجی قائدین حصّہ لے رہے ہیں۔ ان مذاکروں کا مرکزی خیال (theme) یہ ہے کہ "ہم نے بہت بڑی غلطی کی کہ ۶۵ء اور ۷۱ء میں پاکستان کو ختم نہیں کیا"۔ واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۷۱ء میں اگر کوسیجن کے حکم سے یکطرفہ (unilateral) سیزفائر نہ ہوتا اور اگر کوسیجن کو یہ حکم صدر نکسن کی طرف سے نہ دیا گیا ہوتا تو مغربی پاکستان چھ دن کے اندر اندر ختم ہو گیا ہوتا۔ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد ہماری بھارت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔

مجھے مزید بتایا گیا ہے کہ اس وقت ہندوستانی حکومت تیس زبانوں میں پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا کر رہی ہے اور بڑے بڑے اشتہار شائع کر رہی ہے۔ ایسی ہی تحریک ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے بھی جاری ہے جس میں پاکستانی فوج کو بدنام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس پر وہ کروڑوں ڈالر خرچ کر رہے ہیں' جیسا کہ کروڑوں ڈالر روزانہ کا خرچ کشمیر میں ہو رہا ہے۔ وہ یہ کہ پاکستان کی فوج کو غنڈہ فوج (Rogue Army) کہا جا رہا ہے کہ درحقیقت پاکستان دہشت گردی کا اڈا ہے۔ اس کے حوالے سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۷۱ء کی طرح کا کوئی اقدام اب بھی سوچا جا رہا ہو۔ پرویز مشرف کی دشمنی میں ایک بات یہ بھی ہے کہ واجپائی صاحب نے ملینیم سمٹ کانفرنس (امریکہ) میں جانے کے لئے اپنا دورہ دو دن مؤخر کیا ہے۔ گویا وہ پرویز مشرف کا سایہ بھی نہیں دیکھنا چاہتے۔ اگر وہ شروع سے اس اجلاس میں شریک ہو جاتے تو ظاہر بات ہے پرویز مشرف کو دیکھنا تو پڑتا' ممکن ہے کسی لابی میں آمنا سامنا ہو جاتا۔

وقتِ دعا ہے!

ایسی صورت حال میں ۱۹۷۱ء کے بعد اب ۲۰۰۱ء آنے والا ہے' پتا نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری خیانت کی آخری سزا ملنے والی ہو۔ ہمارا حال جو بھی ہے وہ آپ کو معلوم ہے' بہرحال جب تک سانس تب تک آس والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے درِ توبہ اب بھی کھلا ہے۔ ہمیں اب بھی اسلام کے دامن میں آ جانا چاہئے۔ لیکن اجتماعی طور پر نفاذِ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنی ذات پر' اپنے گھر میں اللہ کے دین کو نافذ کریں' پھر ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر کے بنیانِ مرصوص بنیں اور پھر اگر طاقت ہو تو اسلام قائم کریں۔ تب ہی اللہ

کی مدد ہمارے ساتھ آئے گی' ورنہ اللہ کی مدد کیوں اور کس لئے آئے گی؟ کیا اس سودی نظام کے ہوتے ہوئے اللہ ہماری مدد کرے گا؟ اللہ نے ۷۱ء میں ہماری مدد نہیں کی' چاہے آپ نے مسجدوں میں راتوں کو کھڑے ہو کر اور فجر کے بعد لمبی لمبی دعائیں مانگی ہیں' دعائے قنوتِ نازلہ مانگی گئی۔ یہاں تک کہ حرمین شریفین میں بھی دعائیں مانگی گئیں' پھر بھی اللہ تعالیٰ نے نہیں سنیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: دفع ہو جاؤ' تمہارا مجھ سے کیا سروکار ہے' آزاد ہونے کے بعد تم نے میرا دین نافذ کیا؟ حرام چیزوں کو تم لائسنس دیتے ہو اور حرام چیزوں پر ہی تمہاری معیشت کا دارومدار ہے۔ اب تو سود پر بہت بڑے پیمانے پر جوئے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ جب تک قومی و اجتماعی سطح پر ہم اللہ کی جناب میں توبہ نہیں کریں گے اللہ کی مدد شامل حال نہیں ہو سکتی۔ اور اگر اللہ کی مدد آئے گی تو از روئے الفاظ قرآنی :

﴿ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِىْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ ﴾

"اگر اللہ کی مدد آئے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے گا"۔

اس وقت اللہ ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ یوں سمجھئے شاید ہمیں اللہ نے کچھ مہلت دی ہے کہ پھر ہم دیکھیں گے کہ تم کیا کرتے ہو' جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا تھا :

﴿ ... عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ۱۲۹)

"اُمید ہے تمہارا رب تمہارے دشمن (فرعون اور اس کی فوج) کو تو ہلاک کر دے گا اور زمین میں تمہیں حکومت دے گا' پھر دیکھے گا تم کیا کرتے ہو؟"

اللہ نے ہمارے دشمن گاندھی' ماؤنٹ بیٹن اور راٹیلی کو ہلاک کیا۔ ان سب کی مخالفت کے علی الرغم ہمیں پاکستان دے دیا تاکہ ﴿ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾ تاکہ وہ خود دیکھ لے کہ ہم کیا کرتے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ ہمیں توبہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔

اَقُوْلُ قَوْلِىْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِىْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

(ترتیب و تسوید : انور کمال میو)

توحیدِ عملی

کا فریضۂ اقامتِ دین سے ربط و تعلّق

سورۃ الشوریٰ آیات ۱۳ تا ۲۱ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد
مرتّب : شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم

(پانچویں قسط)

صوفیاء کی دو اصطلاحات : سالک مجذوب اور مجذوب سالک

ہمارے یہاں صوفیاء میں دو اصطلاحیں رائج ہیں۔ ان کے نزدیک کچھ ہوتے ہیں سالک مجذوب اور کچھ ہوتے ہیں مجذوب سالک۔ سَلَكَ عربی کا لفظ ہے' اس کے معنی ہیں چلنا ـــــ لہٰذا سلوک کے معنی راستہ کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح طریق اور طریقت بھی چلنے اور راستہ کو کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک سالک مجذوب وہ ہیں جو خود چل کر اللہ کی طرف آتے ہیں اور اللہ اُن کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ بھی لیتا ہے' انہیں ہدایت دیتا ہے' اس لئے کہ انہوں نے رجوع کیا ہے ـــــ جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ' وہ تو پہلے سے حق کے متلاشی ہیں' اسی راستے پر چلے آ رہے ہیں' حقیقت کے دروازے پر وہ بھی دستک دے رہے تھے۔ یہ الگ حقیقت ہے کہ دروازہ کھلا جناب محمد ﷺ کے لئے۔ اسی لئے انہوں نے فوراً تصدیق کی اور حضور ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ انہیں تصدیق کرنے میں ایک لمحہ نہیں لگا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کو مَیں نے دعوت پیش کی ہو اور اسے کچھ نہ کچھ تردّد نہ ہوا ہو اور اس نے کچھ نہ کچھ توقف نہ کیا ہو' سوائے ابو بکر کے ـــــ رضی اللہ عنہ ـــــ وجہ یہ تھی کہ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا!

دوسرے درجے پر ہیں مجذوب سالک۔ یہ وہ ہیں جن کو پہلے اللہ تعالیٰ خود اُن کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور انہیں ہدایت دیتا ہے، پھر ان کو تربیت کے مراحل سے گزارا جاتا ہے، جیسے حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما

یہ مفہوم ہے سالک مجذوب اور مجذوب سالک کا ــــ صوفیاء نے یہ اصطلاحات شاید آیت کے اسی حصہ سے اخذ کی ہیں کہ : ﴿ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴾ "اللہ جسے چاہے چن کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو خود اس کی طرف رجوع کرے تو اللہ اسے لازماً ہدایت دیتا ہے۔"

اہل ایمان کو تسلی

آیت کے اس حصے میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے توسط سے اہل ایمان کے لئے تسلی و تشفی کا پہلو بھی موجود ہے کہ مکّہ کے مشرکین کی شدید مزاحمت و مخالفت اور جور و تعدی نیز انتہائی مایوس کن حالات سے دل برداشتہ نہ ہوں ــــ اللہ تعالیٰ راستہ کھولے گا اور وہ تبارک و تعالیٰ کچھ لوگوں کو اپنے دین کی طرف کھینچ لے گا اور اُن مشرکین میں جو نیک سرشت ہوں گے، جن کی فطرت سلیم ہو گی، جن کی عقل سلیم ہو گی، جن میں ذرا بھی انابت ہو گی وہ خود چل کر آجائیں گے۔ اللہ اُن کو بھی راہِ ہدایت سے بہرہ مند فرمائے گا۔

اہل کتاب کی مخالفت کا سبب

اب آگے والی آیت میں دوسری جماعت یعنی اہل کتاب کی مخالفت کے سبب کو اختصار لیکن انتہائی جامعیت و بلاغت سے بیان فرمایا جا رہا ہے۔ مشرکین عرب تو بے علم تھے، اَن پڑھ تھے، ان کے پاس شریعت نہیں تھی، وحی، نبوت و رسالت اور انزالِ کتب سماوی سے بالکل ناآشنا تھے۔ ان کے مقابلہ میں یہود اور ان کے علماء و فضلاء تھے۔ ان کے پاس کتاب بھی تھی اور شریعت بھی، وحی اور انزالِ کتب سماوی سے وہ واقف تھے، سلسلۂ نبوت و رسالت سے وہ آشنا تھے، توحید سے وہ روشناس تھے، بعث بعد الموت کے وہ قائل تھے، حساب کتاب اور جنت و دوزخ کے وہ اقرار کرنے والے تھے۔ ان کے لئے تو جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ توحید میں کوئی اجنبیت نہیں تھی، کوئی نرالی اور انوکھی بات

نہیں تھی۔ وہ تو خود نبی آخرالزمانؐ کے ظہور کے منتظر تھے۔ جن کتابوں کو وہ خود آسمانی کتابیں تسلیم کرتے تھے ان میں یہ پیشین گوئیاں موجود تھیں کہ خاتم النبیین والمرسلین کی بعثت فاران کی چوٹیوں اور کھجوروں کے جھنڈ کی سرزمین میں ہوں گی۔ وہیں ان کا ظہور ہو گا[1] جس سے مراد حجاز کے علاقہ کے سوا کوئی دوسرا مقام نہیں ہو سکتا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک عیسائی راہب سے یہ اطلاع پا کر ہی حجاز کے لئے عازمِ سفر ہوئے تھے ـــــ پھر یہود اوس و خزرج کو دھمکیاں دیتے تھے کہ آخری نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے' جب ہم ان کی زیرِ قیادت تم سے جنگ کریں گے تو لازماً تم پر غالب آئیں گے۔ لیکن قرآن شہادت دیتا ہے کہ یہ یہود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں مشرکین سے بھی زیادہ شدید تھے' اور آپؐ کی دعوتِ توحید کے خلاف قریش اور عرب کے دوسرے قبائل سے ریشہ دوانیوں اور سازشیں کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ فتنہ و فساد کو اُکسانے میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان کی مخالفت کے سبب کو اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

اس آیت مبارکہ کے بھی "شَرَعَ لَكُمْ" والی آیت کی طرح دو حصے ہیں' جن کی وضاحت علیحدہ علیحدہ کی جائی گی۔

﴿ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۭ ﴾

"اور اُن لوگوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس حال میں کہ ان کے پاس علم آچکا تھا (بلکہ تفرقہ کا سبب یہ تھا) کہ وہ ایک دوسرے سے زیادتی کریں۔"

سیاقِ کلام سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ آیت کے اس حصے میں اہل کتاب کے تفرقہ کا ذکر ہے۔ اسی آیت کے آخری حصہ میں وراثت کتاب کا ذکر آ رہا ہے۔ وارثِ کتاب تو یہود و نصاریٰ ہی تھے۔ آیت کے اس حصہ میں تفرقہ کا سبب نہایت جامعیت اور بلاغت سے بیان ہو رہا ہے کہ ان اہل کتاب نے جو تفرقہ کیا' وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور منقسم ہو گئے تو اس کا باعث لاعلمی نہیں' بلکہ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ہے ـــــ

---

[1] ممکن ہے کہ اسی وجہ سے یہود کے تین بڑے قبیلے فلسطین اور شام کے علاقے چھوڑ کر مدینہ اور خیبر میں آ کر آباد ہوئے ہوں اور اوس و خزرج کے قبیلوں کو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبریں دیتے ہوں۔ (مرتب)

دیکھئے کتنی عجیب بات ہے' دین و شریعت ایک ہے' یہود و نصاریٰ دونوں تورات کے ماننے والے ہیں' پھر بھی تفرقے میں مبتلا ہیں۔ پھر تفرقہ در تفرقہ ہے۔ یہود بھی[1] مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور نصاریٰ بھی' اور ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں حالانکہ ان کی پوری تاریخ مشترک ہے۔ آج بھی عیسائی جس کتاب کو بائیبل کہتے ہیں اس کا بڑا حصّہ تو "عہد نامہ عتیق" (Old Testament) ہے۔ یہ دراصل تورات اور دوسرے انبیاءِ بنی اسرائیل کے صحیفوں پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد "عہد نامہ جدید" (New Testament) ہے' جس میں چار کتابیں وہ ہیں جو "اناجیل اربعہ" کہلاتی ہیں۔ ان کے بعد پال اور دوسروں کے خطوط ہیں' جن کو وہ "رسولوں کے خطوط" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہودی جن انبیاء کو مانتے ہیں عیسائی بھی اُن سب کو مانتے ہیں' لیکن باہمی تفرقہ ہے ـــــ ایک دوسرے کے خلاف فتوے ہیں ـــــ یہ سب کیوں اور کس لئے ہے؟ اس لئے کہ جب بھی کوئی توحید کی خالص دعوت لے کر اٹھے گا حالات یہی ہوں گے۔ یہ صورتِ حال کبھی نہیں بدلے گی۔ بقول علامہ اقبال ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی!

آج بھی اگر تجدید و احیاءِ دین کے لئے اور خالص دعوتِ توحید کے لئے کمر کس کر کوئی قافلہ چلے گا تو اسے انہی نوع کے دو گروہوں سے واسطہ پڑے گا اور سابقہ پیش آئے گا۔ جیسے دورِ حاضر میں ایک تو ہمارے عوام الناس ہیں کہ جن کو دین کی کوئی خبر نہیں۔ ان کے نزدیک دین نام ہے محض ایک عقیدے اور چند رسومات کا۔ ان کو حقیقی دین کا علم سرے سے ہے ہی نہیں۔ ان کا دین تو قبر پرستی ہے یا تعزیہ پرستی۔ ان کے دین کا سب سے بڑا مظہر عرس ہے یا تعزیوں کے جلوس ہیں' یا اب ایک اور جلوس کا اضافہ ہو

---

[1] موجودہ دور میں صرف اسلام دشمنی میں عیسائی ان یہود کے حامی' پشت پناہ اور حلیف بن گئے ہیں' درآنحالیکہ ان کے عقیدے کے مطابق حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھوانے والے یہودی تھے۔ (مرتب)

گیا ہے جو عید میلاد النبی ﷺ کا جلوس ہے۔ ان کا دین تو ان ہی چیزوں کا نام ہے۔ ان کے سوا ان کو دین کا اور کوئی علم اور خبر ہے ہی نہیں۔ نماز سے انہیں سرو کار نہیں' روزے سے انہیں بحث نہیں ـــــ ان کا کل کا کل دین بس ان چیزوں کا نام ہے۔ یہ گروہ تو گویا ان لوگوں کے مشابہ ہو گیا جو حقیقت نفس الامری سے بہت دور نکل گیا تھا ﴿ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيْدًا ﴾ ان کے لئے خالص توحید والے دین کی طرف آنا بڑا ہی مشکل ہے' آسان کام نہیں ہے' اِلّا ماشاء اللہ۔

ہمارے یہاں دوسرا گروہ وہ ہے جن کے فتوے چلتے ہیں۔ دین کے مسائل کے لئے جن کی طرف لوگوں کا رجوع ہے۔ جن کی دینی مسندیں ہیں' جن کے اونچے اونچے مناصب ہیں۔ ان میں سے خاص طور پر جن کا سرکار دربار سے ربط و تعلق قائم ہو جائے وہ تو یوں سمجھئے کہ "کریلا اور نیم چڑھا" کے مصداق ہیں۔ ان میں جو جو خرابیاں پروان چڑھتی ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ علمائے سُوء کی اکثریت بھی اکثر و بیشتر ان ہی میں سے ہوتی ہے جو سرکاری درباری علماء ہوتے ہیں۔ ایسے ہی علمائے سُوء کے فتوؤں سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی پیٹھ پر کوڑے برستے رہتے ہیں۔ ایسے ہی علماء کے فتوؤں سے مجددِ الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو جیل میں ڈالا گیا۔ ان ہی کے فتوؤں سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیل میں ڈالے گئے اور ان کو کوڑے لگائے گئے۔ جب امام مالکؒ کی مشکیں کس کے کوڑے لگے ہیں اور گدھے پر بٹھا کر ان کی مدینہ کی گلیوں میں جو تشہیر کی گئی ہے تو کیا اُس کی پشت پر اس وقت کے درباری مفتیان کے فتوے موجود نہیں تھے؟ یہ درباری سرکاری اقتدارِ وقت کے مُنہ چڑھے ہی تو عالم و فاضل لوگ تھے جنہوں نے جلال الدین اکبر کو "دین الٰہی" عطا کیا تھا۔ اکبر کا تو باپ بھی دین الٰہی خود تجویز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کو مرتب کرنے والے تو ابو الفضل اور فیضی تھے جو بہت بڑے عالم تھے۔ اتنے بڑے عالم کہ ابو الفضل نے قرآن مجید کی پوری تفسیر اس طور پر لکھ دی کہ اس میں کوئی نقطہ والا حرف نہیں آیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ حال ہی میں سیرتِ مطہرہ پر ایک ایسی کتاب بھی لکھی گئی ہے جس میں نقطہ والا کوئی حرف نہیں آیا' جس کی صدرِ مملکت کی جانب سے بڑی مدح کی گئی ہے۔ یہ تو سیرت کی کتاب ہے' ابو الفضل نے تو قرآن کی پوری تفسیر لکھی کہ جس میں کوئی نقطہ والا حرف

نہیں آیا۔ میرے علم میں نہیں ہے کہ اس تفسیر پر علماء نے کوئی نکیر کی ہو۔ ممکن ہے کہ تفسیر میں اس نے کچھ گڑبڑ نہ کی ہو لیکن یہ وہی شخص ہے جو اکبر کے لئے "دین الٰہی" تصنیف کر رہا ہے اور اکبر کی اس راہ کی طرف رہنمائی کر رہا ہے[1]۔ لہٰذا جب بھی منظم طور پر توحید کی دعوت اٹھے گی یہ دو طرفہ یلغار ہو گی' مخالفتیں ہوں گی' ابتلاء اور آزمائشیں اسی طور سے آئیں گی جیسے اس وقت آئی تھیں۔

آیت کے اس حصہ کے عمومِ لفظ کے بین السطور اگر آپ دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ ہیں وہ مراحل و ادوار جو خالص دعوتِ توحید کے نتیجے میں ہمیشہ آکر رہیں گے۔ ایک وہ عوام' جہلاء جو دین سے دُور نکل گئے' ان کو دین سے کوئی سرو کار ہی نہیں' کوئی تعلق ہی نہیں۔ سوائے بدعات' رسومات اور خرافات کے وہ دین سے کوئی واسطہ اور علاقہ رکھتے ہی نہیں۔ ایک وہ جن کا پڑھنا پڑھانا بھی ہے' دین سے تعلق بھی ہے' مسندیں بھی ہیں' فتاویٰ بھی ہیں' ارشاد بھی ہے' سب کچھ ہے' لیکن الا ماشاء اللہ حال یہ ہے کہ : ﴿ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۭ ﴾

تفرقے کا ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ حق جب آئے تو وہ واضح نہ ہو' گنجلک ہو۔ تو اس کی اس آیت کے آغاز میں نفی کر دی گئی ہے کہ :

﴿ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ﴾

پس معلوم ہوا کہ تفرقہ کا باعث لاعلمی اور ناواقفیت نہیں ہے۔ "العلم" ان تک پہنچ چکا تھا۔ ہدایت ربانی اور حق جب بھی آیا ہے بہت مبرہن' واضح اور بیّنہ بن کر آیا ہے۔ آخری پارے کی سورۃ البیّنہ میں یہ مضمون آیا ہے۔ فرمایا : ﴿ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴾ "جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اِس کے بعد کہ ان کے پاس "البیّنہ" آ گئی تھی"۔ یعنی حق روشن و

---

[1] امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کا جب فارسی میں ترجمہ کیا تھا تو وقت کے علماء نے شاہ صاحب کے خلاف کفر کا فتویٰ دے دیا تھا۔ چنانچہ عوام کے ایک گروہ نے اسی فتویٰ سے متاثر ہو کر شاہ صاحب پر دہلی کی جامع مسجد فتح پوری میں ان کو قتل کرنے کے لئے یلغار بھی کی تھی' لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا تھا۔ (مرتب)

مبرہن صورت میں ان کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا۔ ان اہل کتاب نے اندھیرے میں ٹھوکر نہیں کھائی' بلکہ روز روشن میں جان بوجھ کر وہ راہِ حق سے منحرف ہوئے ہیں۔ ٹھیک ہے اہل عرب نے ٹھوکر کھائی' مکہ والوں نے ٹھوکر کھائی تو اندھیرے میں کھائی۔ ان کے پاس تو روشنی تھی ہی نہیں۔ لیکن یہود تو اندھیرے میں نہیں تھے۔ وہ تو نبی اکرم ﷺ اور قرآن کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو ﴿ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ ﴾ ــــ پھر بھی ایمان نہیں لا رہے۔ کیوں؟ اس کو آیت کے اس حصے کے آخر میں بیان کیا گیا : ﴿ بَغْیًا بَیْنَهُمْ ﴾ اس تفرقے کا اصل محرک ہے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی خواہش اور کوشش' ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی تمنا اور سعی' ایک دوسرے پر َور آنے کی فکر۔ پھر قومی وگروہی مفادات' مناصب' تفاخر' وجاہت وحشمت' مذہبی قیادت و سیادت' ان پر مستزاد ہے۔ تکبر اور حسد کہ یہ فضیلت بنی اسمٰعیل کو کیوں مل گئی' یہ تو ہمارے خاندان کی میراث ہے۔ ڈھائی ہزار برس تک نبوت کا سلسلہ ہمارے یہاں جاری رہا ہے' کسی اور کو یہ فضیلت مل جائے' یہ ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ آج کل کی اصطلاح میں یہ Personality Clash تھا' یعنی شخصیتوں کا تصادم تھا' کون اوپر اور کون نیچے کا جھگڑا تھا۔ بالاتر کون ہے اور کم تر کون! یہ سارا فساد دراصل اس کا تھا۔ یہ لوگوں کی انانیت تھی جس کے باعث وہ تفرقے میں مبتلا تھے۔ انہوں نے اپنی دنیوی اغراض اور مصالح کی خاطر حق سے اعراض ہی نہیں بلکہ اس کی مخالفت اور دشمنی پر کمر کس رکھی تھی۔ اب ان تمام تشریحات وتصریحات کے ساتھ آیت کے اس حصے کو پھر دیکھ لیجئے : ﴿ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ ﴾

اب آیت کے دوسرے حصے پر توجہ مرکوز کیجئے :

﴿ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِیَ بَیْنَهُمْ ﴾

"اور اگر (اے محمدؐ) آپؐ کے رب کی طرف سے ایک کلمہ طے نہ ہو چکا ہوتا' ایک وقت معین تک کے لئے بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے مابین قِصّہ چکا دیا جاتا۔"

یعنی ابھی مہلتِ عمر ہے۔ افراد کو بھی اس وقت تک کے لئے مہلت ہوتی ہے جب تک

موت نہیں آتی۔ ((مَالَمْ یُغَرْغِرْ)) جب تک موت کا گھونگرو نہیں بولتا توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ ہر نفس کے لئے یہ ضابطہ مقرر ہے کہ ﴿ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ﴾ "اللہ کسی کو قطعاً مہلت عمل نہیں دیتا جب موت کا مقررہ وقت آ جاتا ہے"۔ اجل مسمّٰی کے اندر اندر عمل کا اختیار ہے۔ یہ مہلت واختیار نہ ہو تو پھر آزمائش کیسی؟ بالجبر اگر اللہ ہدایت دے دے تو اس ہدایت پر انعام کیسا؟ بالجبر کسی کو غلط راستے پر ڈال دے تو اس کی سزا چہ معنی دارد؟ لہٰذا اللہ عزوجل یہ اختیار اور مہلت دیتا ہے' افراد کو بھی اور امتوں کو بھی۔ چنانچہ فرمایا کہ ہماری طرف سے مہلت کا ضابطہ پہلے ہی سے مقرر ہے۔ ابھی ان کو ڈھیل دینی ہے' ابھی ان کے لئے مہلت عمل ہے' ابھی ان کو اختیار حاصل ہے جدھر چاہیں جائیں۔ ﴿ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴾ اور یہ کہ ﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ﴾ اگر ہمارا یہ ضابطہ اور قانون نہ ہوتا' ہماری یہ سنت نہ ہوتی تو ہم ان کا قصہ چکا دیتے' ابھی جھگڑا طے کر دیتے' دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کر دیتے۔

آیت کے اس حصے میں نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے توسط سے اہل ایمان کے لئے بھی تسلی کا ایک پہلو موجود ہے کہ تشویش نہ کیجئے' ابھی وقت لگے گا' اللہ کا آخری فیصلہ آکر رہے گا' احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہو کر رہے گا اور انجام کار کے طور پر سب کو ہمارے حضور حاضر ہونا ہی ہے۔ وہ فیصلہ کی آخری ساعت بھی آکر رہے گی ـــــ اجل مسمی تک آپؐ بھی انتظار کیجئے اور مخالفین بھی۔

وارثین کتاب کا نقشہ

اب اس آیت کے آخری حصہ پر آیئے! فرمایا:

﴿ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ۞ ﴾

"اور وہ لوگ جو کتاب کے وارث بنائے گئے' ان کے بعد درحقیقت وہ اس (کتاب) کے بارے میں ایسے شک و شبہ میں مبتلا ہو چکے ہیں جس نے ان کے دلوں میں خلجان پیدا کر دیا ہے۔"

آیت کے اس ٹکڑے کو بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے ـــــ یوں تو قرآن مجید کا ہر لفظ

اور ہر آیت عظمت کی حامل ہے' لیکن میرا گہرا تاثر ہے کہ سورۂ شوریٰ کی یہ تین آیات قرآن کی عظیم ترین آیات میں سے ہیں۔ اقامت دین کی جدوجہد میں جو بھی مسائل (Problems) سامنے آتے ہیں ان سب کا حل اور جواب تین آیات میں موجود ہے۔ جب کبھی یہ کوشش ہوگی تو اُس وقت جو مسائل اٹھیں گے ان سب کے لئے یہاں رہنمائی موجود ہے۔ فرمایا : ﴿ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْ بَعْدِھِمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ ۝ ﴾ رسولوں کے امتی عاملین کتاب تشکیک میں مبتلا ہو چکے ہیں' جس نے ان کے اذہان و قلوب میں خلجان اور انتشار پیدا کر دیا ہے۔ یہ کتاب کے ماننے اور جاننے والوں کا حال ہے۔ جو امیین ہیں ان کی کیفیت یہ نہیں ہے' اس لئے کہ ان کے پاس تو سرے سے کوئی کتاب ہے ہی نہیں۔ یہ گفتگو درحقیقت اہل کتاب کے بارے میں ہو رہی ہے کہ جن کے پاس علم' کتاب اور شریعت[1] موجود ہے۔ وہ سب ایک رسول کے نام لیوا ہیں' لیکن آپس میں دست و گریبان ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آئندہ نسلوں کا اعتماد ہی اٹھتا چلا جاتا ہے —— آج ہم جو دیکھ رہے ہیں کہ ہماری نوجوان نسل کا دین سے اعتماد ہی اٹھتا چلا جا رہا ہے' وہ کیوں؟ اس لئے کہ ان کا روز کا مشاہدہ ہے کہ ملک کے علماء حضرات کی اکثریت جو دین کے نام لیوا ہیں ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ سب کہتے یہی ہیں کہ ہمارا مقصد ہے کہ دین کو قائم کیا جائے' اسلامی نظام بالفعل نافذ ہو' لیکن ایک دوسرے کی ٹانگیں گھسیٹی جا رہی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کا کیا منفی اثر ہمارے معاشرے پر پڑ رہا ہے۔ لوگ اندھے بہرے تو نہیں ہیں۔ نوجوان بڑے حساس ہوتے ہیں۔ تفرقہ کا یہ نقشہ دیکھ کر انہیں پھر دین ہی کے بارے میں شک پڑ جاتا ہے اور سمجھنے لگتے ہیں کہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید دعویٰ کرتا ہے کہ ﴿ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ﴾ لیکن ایک نوجوان کسی کو دیکھتا ہو کہ نمازی تو بڑا پکا ہے' لیکن جتنا پکا نمازی ہے اتنا بڑا بلیک مارکیٹر بھی ہے تو اس کا اعتماد نماز پر قائم ہو گا یا ہٹے گا؟ ظاہر ہے نماز پر سے اعتماد ہٹے گا۔ قرآن پر سے

---

[1] اشارہ ہے یہود و نصاریٰ کے متعدد فرقوں کی طرف۔ (مرتب)

اعتماد ہٹے گا کہ قرآن تو دعویٰ کر رہا ہے کہ نماز برے کام سے روکنے والی شے ہے اور یہ شخص سب کچھ کر رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نمازی بڑا پکا ہے۔ ایسے ہی ہمارے معاشرے میں وہ لوگ بھی ہیں جو کثرت کے ساتھ حج و عمرہ کرتے ہیں' لیکن ساتھ ہی اسمگلر بھی ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کے باعث نوجوانوں کا دین پر سے اعتماد اٹھنا شروع ہو جاتا ہے۔

اسی غلط طرزِ عمل کی عکاسی کی گئی ہے آیت کے اس حصہ میں : ﴿ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ "اور جو لوگ وارث بنائے گئے کتاب کے ان کے بعد"۔ یہاں "ان کے بعد" سے کیا مراد ہے! وہ لوگ جو تفرقے ڈال کر چلے گئے' اب ان کے بعد اگلی نسل کتابِ الٰہی کی وارث ہوئی ـــــ جیسے ہم قرآن حکیم کے وارث ہیں ـــــ یہاں جو ذکر ہو رہا ہے وہ تورات اور انجیل کا ہو رہا ہے۔ لیکن جو لوگ تفرقے ڈال گئے تو ان کے بعد آنے والے ان تفرقوں کے سبب سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے۔ ﴿ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ۝ ﴾ یہاں مریب شک کی صفت ہے۔ یعنی شک جب دل میں یہ خلجان پیدا کر دے کہ پتہ نہیں کچھ ہے بھی یا نہیں؟ واقعتاً یہ کتابِ الٰہی ہے کہ نہیں؟ یہ گروہ بھی اسی کتاب کو ماننے کا مدعی اور وہ گروہ بھی اسی کتاب کے ماننے کا مدعی' یہ بھی اسی کتاب کو پڑھ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روشنی کا مینار اور ہدایت کا منبع و سرچشمہ ہے' وہ بھی اسی بات کے دعوے دار ہیں' لیکن حال یہ ہے کہ آپس میں دست و گریباں ہیں' یہ ان کو کافر کہہ رہے ہیں اور وہ ان کی تکفیر کر رہے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ اس تفرقہ بازی سے عوام (بالخصوص تعلیم یافتہ طبقہ) کا اعتماد دین پر سے' کتابِ الٰہی پر سے اور علماء پر سے اٹھتا چلا جاتا ہے۔

دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موقع پر دو جماعتیں موجود تھیں۔ ایک تو مشرکین کا گروہ ـــــ ان کے متعلق فرمایا گیا : ﴿ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ ؕ اَللّٰهُ یَجْتَبِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ؕ ﴾ اے نبیؐ آپؐ کی دعوتِ توحید ان مشرکین پر بہت بھاری ہے۔ یہ اتنے دُور نکل گئے ہیں کہ ان کے لئے لوٹنا آسان نہیں ہے۔ ان میں سے اللہ ہی جس کو چاہے گا اس دعوتِ توحید کے لئے چن لے گا اور

اپنے دین کی طرف کھینچ لے گا' اور جن کے دلوں میں تھوڑی سی بھی انابت ہے وہ جلد یا بدیر آپؐ کے جاں نثاروں میں شامل ہو جائیں گے ___ رہا دوسرا گروہ جو اہل کتاب کا گروہ ہے' ان کے متعلق حضور ﷺ کو جو فکر لاحق ہو رہی تھی کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لا رہے تو اس کا ازالہ اس آیت میں فرمادیا گیا : ﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ﴾ ___ یعنی اے نبیؐ! آپؐ تو پھر بھی ایک نئی کتاب لے کر آئے ہیں' آپؐ کی دعوتِ نبوت ان کے لئے نئی ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو یہ بھی مانتے ہیں اور وہ بھی' پھر بھی ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں ___ اور تو اور خود بھی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے رہتے ہیں۔ تو جو اتنے انانیت پرست ہیں کہ ایک کتاب کے ماننے کے باوجود متفرق ہیں وہ آپؐ کی بات کیسے تسلیم کرلیں گے؟ یہی بات علامہ اقبال نے ''جوابِ شکوہ'' میں ہمارے لئے کہی ہے۔ ؏

منفعت ایک ہے اس قوم کی' نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی' دین بھی' ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی' اللہ بھی' قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

ہماری فرقہ بندی کس سے پوشیدہ ہے۔ نہ معلوم کتنے فرقوں میں ہم بٹے ہوئے ہیں! اس کے نزدیک وہ کافر' اس کے نزدیک یہ کافر۔ اُس کے سوا کوئی اور بحث سننے میں نہیں آتی۔ اِلّا ماشاء اللہ!

لہٰذا حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اللہ آپؐ کے لئے راستہ نکالے گا' لیکن آپؐ ان یہود سے توقع نہ رکھئے کہ یہ تو کتابوں کو جاننے والے ہیں' توحید کو ماننے والے ہیں' ان کے یہاں بڑے بڑے علماء ہیں' لہٰذا یہ تو فوراً مان لیں گے۔ نہیں' ان کی انانیت ان کی راہ کا وہ پتھر ہے جو کسی طرح بھی انہیں آگے نہیں بڑھنے دے گا' بلکہ یہی آپؐ کی دشمنی میں سب سے آگے ہوں گے۔ (جاری ہے)

قیامِ اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر

قسط چہارم

ان باتوں کے بعد اب ہم امریکہ میں بنیاد پرست قائدین کا ذکر ذرا تفصیل سے کرتے ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کی کیا سرگرمیاں ہیں؟ یہ بنیاد پرست ہر قسم کے وسائل سے بہرہ ور ہیں اور انہیں ہر طرح کا سیاسی و اخلاقی تحفظ میسر ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے مسلمانوں کو بنیاد پرستی کا طعنہ سننا پڑتا ہے جو پہلے سے ہی تہی دست ہیں اور ہر روز طعن و تشنیع کا سامنا کرتے ہیں۔ اخبارات' ٹی وی اور بہت سارے لوگ الگ سے ان کے خلاف آگ اگلتے رہتے ہیں' مگر امریکہ میں بنیاد پرست افراد کی مثالیں اور ان کا کام بیان کرتا ہوں' پھر آپ خود فیصلہ کرلیں کہ امریکہ میں ان افراد کی کس طرح سرپرستی کی جاتی ہے اور ہمارے ہاں راسخ العقیدہ مسلمانوں کی کس قدر عیب جوئی کی جاتی ہے۔

ان افراد میں سب سے زیادہ مشہور اور بااثر جیری فول ویل ہے جو امریکہ میں ایک تنظیم کا بانی بھی ہے[1] ۔ جیری فول ویل کا عقیدہ اس کی اپنی زبانی سنیں: "درحقیقت اسرائیل کے لئے امریکی امداد اسرائیل کے لئے نہیں بلکہ یہ امریکہ کے اپنے اور صرف اپنے مفاد میں ہے"۔ یہ آدمی شروع میں ایک نظریہ لے کر اٹھا کہ امریکہ کو عیسائی اسٹیٹ ہونا چاہئے مگر جب اس کے ساتھ خاطر خواہ لوگ مل گئے تو اس نے اپنی تحریک کو ایک نیا نعرہ دیا کہ "امریکہ بلاشبہ عیسائی یہودی اسٹیٹ ہے"۔

جیری فول ویل نے کہا "اسرائیل کے خلاف کوئی کارروائی کرنا دراصل خداوند

---

[1] اس کی تنظیم کا نام Moral Majority ہے' جو آج کل Liberty Federation کہلاتی ہے۔

کے خلاف کارروائی کرنا ہے"۔ وہ اپنی تقاریر میں عہدِ ابراہیمی کا پرچار کرتا رہتا کہ: "عنقریب میں اسرائیل پر برکت دینے والوں پر برکت دوں گا اور اس پر لعنت بھیجنے والوں پر لعنت"۔ اس نے اپنی تقریر میں کہا: "مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر امریکہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسرائیل کو مالی و عسکری امداد بہم پہنچانے میں کسی قسم کا تردّد نہ کرے"۔ ۱۹۴۸ء میں قیامِ اسرائیل میں اس نے اس واقعہ کو تورات کی پیشین گوئی کے مصداق ٹھہراتے ہوئے کہا کہ: "یہ خداوند کی قوم کے ساتھ عہد وفا نبھاتے ہوئے خدا کی برکت دینے کی دلیل ہے"۔ جیری فول ویل کا اگلا فقرہ امن سمجھوتے کے تناظر میں ملاحظہ فرمائیں: "یہودا اور سامرا کے علاوہ جولان کی پہاڑیاں بھی اسرائیل کا حصہ ہیں اور یروشلم اور صرف یروشلم ہی اسرائیل کا ابدی دارالحکومت ہے جس میں ہرگز بحث کی گنجائش نہیں"۔

جیری فول ویل نے ایک یونیورسٹی بھی قائم کر رکھی ہے جس میں بقول اس کے ۲۰۰۰ء تک پچاس ہزار طالب علم پڑھ رہے ہوں گے۔ اس یونیورسٹی کا نام اس کی تنظیم کے نام پر Liberty University رکھا گیا ہے جس میں پچاس ہزار طالب علموں کو یہودی طرز پر الٰہیات کی تعلیم دی جائے گی۔ مذکورہ یونیورسٹی میں غیر ملکی طالب علموں کے لئے خاطر خواہ وظائف کا بھی بندوبست ہے اور ان وظائف میں توسیع کے علاوہ یونیورسٹی میں پچاس ہزار طالب علموں کی پڑھائی کا بھی انتظام میسر کیا جائے گا۔

جیری فول ویل نے بارہا اپنے نشریاتی پروگراموں میں اس بات پر زور دیا کہ اسرائیل کے لئے موجودہ جغرافیائی حدود ناکافی ہیں خواہ ان میں مغربی کنارہ، جولان کی پہاڑیاں اور غزہ کی پٹی کو شامل ہی کیوں نہ سمجھا جائے۔ اس کے خیال میں اسرائیل کی حدیں دریائے فرات سے نیل تک ہونی چاہئیں۔ ۱۹۸۲ء میں جب اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا اور بیروت پر اپنا قبضہ جمایا تو اس موقع پر جیری فول ویل نے کہا: "تورات کی کتابِ پیدائش میں اسرائیل کی حدود نیل سے فرات تک ہیں اور یہی ارضِ موعود ہے"۔ وہ ارض موعود میں عراق، شام، ترکی، سعودی عرب، مصر، سوڈان، پورا لبنان، اردن اور کویت کو شامل سمجھتا ہے، اس دلیل پر کہ یہ علاقے کنعانیوں کے ہیں "اور میں

تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا سارا ملک ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے"۔ قطر میں اپنے نشریاتی نیٹ ورک سے عربوں کو درشت لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا : "عربوں کے لئے ہمارے پاس کوئی جگہ نہیں اور نہ ان سے خوشگوار تعلقات ہو سکتے ہیں کیونکہ عرب امریکی معاشرے کی اقدار کو مانتے ہیں اور نہ اس کا معاشی نظام پسند کرتے ہیں' نیز وہ اسرائیل کو تسلیم کرنے سے بھی انکاری ہیں"۔

عیسائی عقیدہ کی رو سے سات اقوام لعنتی ہیں جن میں ایک قوم عرب ہے۔

جیری فول ویل صدر بش کا چہیتا ہے جس کا اعتراف وہ کئی مرتبہ کر چکا ہے۔ صدر بش کا وہ جملہ یاد کریں جس میں اس نے کہا : "جیری فول ویل جیسی شخصیات کی موجودگی میں یہودیوں کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا"۔

دوسری بنیاد پرست شخصیت پاٹ رابرٹسن کی ہے جو ٹی وی واعظ بھی ہے اور پورے امریکہ میں ٹی وی دیکھنے والے شائقین کے ہاں مقبول بھی۔ اپنے ٹی وی نیٹ ورک سے بذریعہ مصنوعی سیارہ ساٹھ سے زائد ممالک تک نشریات بھیجتا ہے۔ اس کے ساتھ ٹیلی فون رابطے کی مفت سہولت موجود ہے اور بقول اس کے سالانہ چالیس لاکھ کالوں کے ذریعے لوگ اس سے دینی مسائل کے سلسلہ میں فتوے پوچھتے ہیں۔ پاٹ رابرٹسن نے صدارتی الیکشن میں صدر بش کے مدِمقابل اپنے کاغذات نامزدگی بھی جمع کرائے تھے جو بعدازاں واپس لے لئے' لیکن اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کس قدر اثر و نفوذ رکھتا ہے اور امریکی معاشرے میں ایک بنیاد پرست متشدد عیسائی کے صدارتی الیکشن لڑنے کا امکان ہو سکتا ہے' لیکن سیاست صرف راسخ العقیدہ مسلمان پر حرام ہے جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں۔ CBN نشریاتی نیٹ ورک پاٹ رابرٹسن کی ملکیت ہے جس کی چوبیس گھنٹے نشریات جاری رہتی ہیں اور ان میں بیشتر مذہبی پروگرام ہوتے ہیں۔ اسی پائے کا دوسرا نشریاتی نیٹ ورک دی سیون ہنڈرڈ کلب ہے جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ پاٹ رابرٹسن نے ایک یونیورسٹی بھی قائم کر رکھی ہے جس کا نام نشریاتی ادارہ کے نام پر CBN ہے۔

نیویارک ٹائم نے اس کی بابت لکھا کہ پاٹ رابرٹسن کے نزدیک دنیا کے فنا ہونے میں

چند روز باقی ہیں اور موجودہ صدی کے آخر میں ۲۰۰۰ء تک نزولِ مسیح ہوگا۔ اسرائیل کی عرب' روس اور غیر عیسائیوں سے شدید جنگ ہوگی' زلزلے آئیں گے اور آتش فشاں پھٹیں گے اور اُس وقت یسوع مسیح کا نزول ثانی ہوگا اور ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے کی پہلی نشانی قیام اسرائیل ہے اور باقی نشانیاں بھی عنقریب پوری ہونے کو ہیں کیونکہ یہ تورات کی پیشین گوئیاں ہیں۔ اپنے نشریاتی پروگراموں میں وہ عرب اسرائیل دشمنی کو ہوا دیتا رہتا ہے' عربوں کو اَعداء اللہ (خدا کے دشمن) کہتا ہے' فلسطینیوں کے ساتھ کسی قسم کے انصاف کی ضرورت نہیں سمجھتا' کیونکہ اسرائیل کا قیام خداوند مسیح کی منشا ہے اور تورات کی نص کے مطابق ہے "اسرائیل اس بات سے آزاد ہے کہ کوئی اسے تسلیم کرے یا نہ کرے' جب خدا کی مشیت یہی ہے تو پھر اسے کون ٹال سکتا ہے"۔

مزید برآں یہ کہ جنوبی لبنان پر اسرائیل کے قبضے کے دوران اس نے وہاں اپنا ٹی وی اسٹیشن قائم کیا جس کا نام "امید کی کرن" رکھا۔ یہ پروگرام شام' عراق' ترکی' مصر اور سعودی عرب کے شمالی علاقوں تک دیکھا جا سکتا ہے۔ ٹی وی اسٹیشن کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے اس نے کہا کہ : "قرآن اور اسلامی تعلیمات روحِ انسانی کے عمیق تقاضے پورے کرنے سے عاجز ہیں' مسلمان فرقہ بازی کا شکار ہیں' نیز اسلام میں عقیدہ کی کئی تقسیمات ہیں' اشتراکیت کے دن گنے جا چکے (اسلام اور اشتراکیت دونوں زوال پذیر ہیں) جبکہ عیسائیت کا ستارہ عروج پر ہے اور اسی کی طرف ہم بلاتے ہیں' اگرچہ مسلمانوں پر ناامیدی چھائی ہے مگر ان کے لئے انجیل کا پیغام قبول کرنے کا دروازہ کھلا ہے۔ ہمارے اس نشریاتی پروگرام کا مقصد بھی انجیل کے پیغام کو عام کرنا ہے"۔ اس کے خیال میں مسلمان اس دعوت پر لبیک کہیں گے' معاذ اللہ۔

اپنے ایک نشریاتی پروگرام میں پاٹ رابرٹسن نے کہا : "جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل کی قدس پر کامیابی غیر یہودی اقوام کے زوال کی علامت ہے اور غیر یہودی اقوام کا زوال ہمارے ایمان کا حصّہ ہے' کیونکہ نزولِ مسیح سے غیر یہودی اقوام کا خاتمہ ہو جائے گا اور میرے یہ نشریاتی پروگرام اس الٰہی حامیت کا جزو ہیں جو خداوند نے اسرائیل کے ساتھ خاص کر رکھی ہے"۔ مطلب ہے کہ نزولِ مسیح کے ساتھ عربوں کے

خاتمے میں یہ ٹی وی پروگرام معاون ہوں گے جن کا افتتاح اس نے خداوند کے حکم سے کیا ہے کیونکہ تورات کی رو سے یہ نزولِ مسیح کا زمانہ ہے۔

صدر بش کے ساتھ رابرٹسن کے گہرے روابط کی اور دلیل سوڈان کا وہ سرکاری دورہ ہے جو انہوں نے ۱۹۸۵ء میں کیا جس میں رابرٹسن ان کے ہمراہ تھا۔ دونوں ممالک نے ایک اتفاقیے کو منظور کیا جس کی رو سے فلاشا میں مقیم یہودیوں کو اسرائیل میں قیام کرنے کا حق مل گیا اور فلاشا کے یہودی پناہ گزینوں کو سوڈان سے اسرائیل پہنچانے کے لئے جنوبی لبنان اور امریکہ سے ہوائی پروازوں کا انتظام رابرٹسن نے کیا۔ یاد رہے کہ رابرٹسن کٹر عیسائی ہے' یہودی نہیں۔

تیسری اہم شخصیت جارج اوٹس (George Otis) ہے جسے میں وقت کی کمی کے پیش نظر اختصار سے بیان کروں گا۔ جارج اوٹس ایک تنظیم کا قائد ہے جو تورات کی حرفیت پر ایمان رکھتی ہے اور تورات کو خدائی نوشتہ مانتی ہے جس کے نتیجہ میں یہ تنظیم اسرائیل کے قیام کو مسیح کی آمدِ ثانی کا پیش خیمہ سمجھتی ہے اور اسرائیل سے ہر قسم کا تعاون کرتی ہے۔ جارج اوٹس نے اپنی ایک تقریر میں کہا "ہم اسرائیل میں بحالی امن کیلئے مصروف کار ہیں لیکن ہم اس بات پر بھی پورا ایمان رکھتے ہیں کہ پوری ارضِ مقدس ـــــ ملاحظہ فرمائیں ـــــ پوری ارضِ مقدس یہودیوں کی ایسی میراث ہے جو ناقابلِ انتقال ہے اور نہ غیر یہودیوں کے لئے قابلِ استعمال"۔ یہ جملہ توراتی من گھڑت آیت کا چربہ ہے 'ناقابلِ انتقال و ناقابلِ استعمال یعنی "ازلی ملکیت"۔

تورات میں مذکورہ جھوٹے عہد پر ان کا پختہ ایمان ہے اور قرآن میں جس عہد کا ذکر مسلمانوں کے حق میں ہوا ہے ظاہر ہے ان کافروں کا اس پر ایمان ہونے سے رہا۔

رابرٹسن نے اسرائیل کے حق میں کہا: "اسرائیل کا از سرِ نو قیام تورات کی پیشین گوئی کے مطابق عہدِ وفا ہے اور نزولِ مسیح کا پیام ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہودی اب بھی خدا کی چنی ہوئی قوم ہے' وہ کہیں بھی ہوں۔" "اور جو اسرائیل کو مبارک کہیں ان کو میں برکت دوں گا اور جو اسرائیل پر لعنت کرے اس پر میں لعنت کروں گا"۔ یہ جارج اوٹس کا عقیدہ ہے جس نے اپنا ٹی وی اسٹیشن رابرٹسن کے ہاتھ فروخت کیا۔

ایک اور شخصیت کا مختصر تعارف کراتا چلوں جو صدر بش کے گہرے دوستوں میں سے ایک ہے جس کا نام مائیک ایونس (Mike Evens) ہے۔ بعض کتابوں میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ پہلے یہودی تھا جس نے عیسائیت قبول کرلی' بعض کتب میں اس کی والدہ کو یہودی بتایا گیا ہے۔ جو بھی صورت رہی ہو ہمارے لئے اس کا یہ بیان اہمیت رکھتا ہے جس میں اس نے کہا : "امریکہ کی بقا کے لئے اسرائیل کا ہونا ضروری ہے لیکن خود اسرائیل کی بقا امریکہ کے ہونے یا نہ ہونے کی محتاج نہیں"۔

ایک گھنٹے کے دورانئے کا یہ پروگرام پچاس سے زائد امریکی ریاستوں میں دیکھا جاتا ہے۔ اس نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ : "مغربی کنارے سے اسرائیل کا انخلا پہلے اس کی اور پھر امریکہ کی فوری تباہی لائے گا"۔ اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اس نے کہا : "اسرائیل کا مغربی کنارے سے دست بردار ہونا اور اس علاقے کو فلسطینیوں کو لوٹانا بلاشبہ تورات میں مذکور خدائی وعدہ کی تکذیب کے مترادف ہوگا جس سے نہ صرف اسرائیل کی ہلاکت ہوگی بلکہ امریکہ پر بھی خدا کا قہر نازل ہوگا۔ اگر کتاب مقدس کے کسی حکم کی اہانت کی گئی یا اسرائیل نے اس کے برخلاف کوئی اقدام اٹھایا تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا' تورات تو اسرائیل کی حمایت میں ہے"۔

ایونس نے امریکی عوام سے پُر زور مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ : "ان کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دیرینہ دوست کی تائید میں مزید آگے بڑھنا چاہئے اور انہیں میرے نشریاتی پروگرام "برکتِ اسرائیل" کی بھی تائید کرنی چاہئے کیونکہ استحکام اسرائیل کے لئے خدائے برتر نے مجھے اس پروگرام کا آغاز کرنے کا صریح حکم دیا ہے"۔ یعنی جارج اوٹس کے نشریاتی پروگرام خدا کی طرف سے اس پر الہام ہوئے ہیں جن کا مقصد لوگوں کو بشارت دینا ہے کہ "خاکی برگزیدہ قوم نے اپنی زمین سنبھال لی ہے"۔

یہ پروگرام لاکھوں امریکیوں کے علاوہ لاطینی امریکہ کے عوام بھی خوب شوق سے دیکھتے ہیں۔ اس نے اپنے ایک پروگرام میں کہا کہ : "عیسائی ہرگز وہ غلطی دہرانے والے نہیں جو آج سے ۴۵ سال پہلے جرمنی سے سرزد ہوئی جب جرمنی نے خدا کی برگزیدہ قوم پر ظلم وجبر کیا"۔ یعنی اب یہودیوں پر ظلم کرنے کی کوئی جسارت نہیں کرسکتا۔

مائیک ایونس پروپیگنڈے کا ماہر ہے اور اس کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہے اور اس پر کاربند ہے اور امریکی عوام کے جذبات سے کھیلنا جانتا ہے۔

ریاست ہائے متّحدہ امریکہ کے دارالحکومت کو ریاست واشنگٹن سے فرق رکھنے کے لئے واشنگٹن ڈی سی کہا جاتا ہے۔ اس فرق کو ہر امریکی جانتا ہے۔ جارج اوٹس امریکی عوام کے جذبات اسرائیل کے حق میں کرنے کے لئے اسرائیل کے دارالحکومت کو یروشلم ڈی سی کہتا ہے اور اپنے بیانات اسی نام سے صادر کرتا ہے' لیکن اس مخفف سے مراد وہ نہیں جو امریکی دارالحکومت مراد لیتا ہے۔ امریکی صدر کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے اپنے ایک مراسلہ میں لکھا : "بنام صدرِ امریکہ و وزیر اعظم اسرائیل از قدس ڈی سی پایہ تختِ داوٗد"۔ اس مراسلہ کے آخر میں موصوف کے دستخط ہیں۔ مراسلہ کے بعض جملے ملاحظہ کریں : "ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قدس کا معاملہ خدا قادرِ مطلق کی سپردگی میں ہے۔ تمہیں جاننا چاہئے کہ خدا کا کلام مذاکرات کرنے کے لئے نہیں ہوا کرتا اور نہ اس میں کسی قسم کی بحث کی گنجائش ہوا کرتی ہے۔ تمام آسمانی کتابیں قدس کو اسرائیل کا روحانی مرکز اور یہودیوں کے مسیح کا مہبط سمجھتی ہیں"۔

آپ کے خیال میں مسیحِ یہود کون ہو گا؟ یہودیوں کا مسیح دجّال ہے۔ یہ بات امام ابنِ تیمیہؒ نے بھی اپنی کتابوں میں تفصیلاً بیان کی ہے۔ یہودی جس مسیح کے انتظار میں ہیں وہ دراصل دجّال ہے۔ اس پر بے شمار دلائل موجود ہیں جو ہم طوالت کی وجہ سے بیان نہیں کر سکتے۔ فتنہ دجال کے لئے ایک مکمل نشست درکار ہے' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع کا حق ادا کرنے کے لئے کئی دروس درکار ہوں گے۔ یہ موضوع اس لئے بھی اہم ہے کہ آج کل اس پر بہت کچھ کہا اور لکھا جا رہا ہے۔ دوسری طرف عیسائی بھی ۲۰۰۰ء کی ابتداء میں دجال کی آمد کے منتظر ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ فتنہ دجال سے آگاہی حاصل کریں اور عیسیٰ ابن مریم کی بابت درست عقیدہ رکھیں۔

مائیک ایونس نے اپنے مراسلہ میں لکھا کہ ہم اسرائیل کے عوام کے لئے دعا کی رسم کا مستقل اہتمام کرتے ہیں کیونکہ یہود کے مسیح کا ظہور ہونے کو ہے' یہی وجہ ہے کہ ہم یہودیوں کی آزادی اور امن کے لئے ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ ہم خدا کے کلام پر

ایمان رکھتے ہیں جس میں وہ فرماتا ہے: "جو اسرائیل کو مبارک کہیں ان کو میں برکت دوں گا اور جو اسرائیل پر لعنت کرے اس پر لعنت کروں گا"۔ ہم امریکی حکومت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اسرائیل کی حمایت میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے کیونکہ خدا کا کلام قدس کو اسرائیل کے حق میں تسلیم کرتا ہے اور ہم پر کلام الٰہی پر ایمان لانا فرض ہے"۔ بعد ازاں مائیک ایونس نے اس مراسلہ کو امریکی عوام سے دستخط لینے کے لئے تقسیم کیا اور بقول اس کے مراسلہ کی تائید میں دس لاکھ امریکیوں نے اس پر دستخط کئے اور تصدیقی دستخطوں کے ساتھ اس نے یہ مراسلہ امریکی صدر اور اسرائیلی وزیراعظم کو ارسال کیا۔ اگر ایونس کی بتلائی گئی تعداد درست نہ بھی ہو اور کم از کم ایک لاکھ افراد نے دستخط کئے ہوں تو پھر بھی یہ تشویش کی بات ہے کہ ایک لاکھ امریکی یہود کے مسیح کے ظہور پر ایمان رکھتے ہیں۔ "اور فلسطینی مقبوضہ علاقوں کے ایک بالشت ٹکڑے پر مذاکرات کی گنجائش ہے اور نہ بحث کی۔ کیونکہ اس قسم کا تصرف نہ امریکی صدر کے ہاتھ میں ہے اور نہ اسرائیلی وزیراعظم ہی کسی جگہ سے دست برداری کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ قدس کا معاملہ بلاواسطہ خداوند کی سپردگی میں ہے"۔

اسرائیل نواز عیسائی تنظیم

اسی طرز کی ایک اور عیسائی بنیاد پرست تنظیم کے متعلق بھی سن لیجئے جو بیک وقت مذہبی اور سیاسی دونوں فرائض انجام دیتی ہے۔ یہ تنظیم تورات کے غیر محرف ہونے پر ایمان رکھتی ہے اور اس کا صدر مقام یروشلم میں ہے۔ یہ تنظیم عہدِ ابراہیمی کو یہودیوں کے حق میں سمجھتی ہے اور اس کی شاخیں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ تنظیم کے سربراہ نے کہا: "ہم اسرائیلیوں سے بڑھ کر صیہونی ہیں، تمام شہروں میں مبارک قدس کا شہر ہے اور خداوند کی مرضی سے ارضِ مقدس اسرائیل کے پاس ہے"۔ اس تنظیم کے اعتقاد میں نزولِ مسیح کے لئے اسرائیل کا قیام ضروری ہے۔ یہ تنظیم نہ صرف اسرائیل کی بقا کے لئے کوشاں ہے بلکہ اسرائیل کے توسیعی عزائم میں بھی معاون ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ خدا نے خود مغربی کنارہ اور غزہ کی پٹی اسرائیل کو دی ہے اس لئے یہ علاقے

اسرائیل کا جائز اور قانونی حق ہیں۔ اس عالمی اہمیت کی تنظیم کا سات نکاتی منشور ہے اور منشور کا آخری نکتہ یہودیوں کو عیسائی بنانے کے متعلق ہے جسے بعد میں یہودیوں کی کوششوں اور چالاکی سے حذف کر دیا گیا۔ مت بھولئے کہ یہ کٹر عیسائی تنظیم ہے جو فلسطین میں نزولِ مسیح پر ایمان رکھتی ہے جب تمام یہودی عیسائی مذہب اختیار کر لیں گے۔ پہلا مرحلہ یہودیوں کی آباد کاری کا ہے اور اگلے مرحلے میں مسیح کا ظہور ہو گا۔

اس تنظیم کے باقی ماندہ چھ نکات مندرجہ ذیل ہیں :

- یہودیوں کی فلاح اور ان کے وطن اسرائیل کے قیام کے لئے حد درجہ اہتمام کرنا۔
- عیسائی قیادت' کلیسا اور دینی تنظیموں سے مطالبہ کرنا کہ وہ اپنے اپنے ملک میں اسرائیل اور اس کے عوام کی مصلحت کے لئے بھرپور کام کریں اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے دوسرے ممالک کو بھی اس بات پر آمادہ کریں۔
- اسرائیل میں مقیم یہودیوں تک ضروریاتِ زندگی وافر مقدار میں پہنچانا اور آسائشیں فراہم کرنا۔
- یہود و عرب وفاق پیدا کرنے کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنا۔

یعنی دو ازلی دشمنوں کا وفاق بنا لیا جائے جسے صلح کا نام دیا جائے گا' کیونکہ اس سے یہودیوں کی امیدیں بر آتی ہیں' جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

اس تنظیم کے چند اہم کارناموں میں سے ایک کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ ۱۸۹۷ء میں سوئزرلینڈ کے شہر بال (Basel) میں پہلی صیہونی کانفرنس تو سب کو یاد ہو گی جس میں تھیوڈور ہرتشل بھی شریک ہوا تھا۔ اسی مناسبت سے اس تنظیم کا بھی پہلا اجلاس اسی شہر میں ہوا' اور یہ محض اتفاق نہ تھا بلکہ پوری سوچ بچار کے بعد اس شہر کا انتخاب کیا گیا تھا۔ اس کانفرنس کا انعقاد ۱۹۸۵ء میں ہوا اور شرکاء یہودیت کے لئے نہیں بلکہ عیسائی یہودی بنیاد پرستی (Jewish Christian Fundementalism) کے لئے جمع ہوئے۔ کانفرنس کے اعلامئے پر غور فرمائیں : "ہم جو مختلف ممالک اور کلیساؤں کی نمائندگی کرتے ہیں آج ٹھیک اس مقام پر جمع ہوئے ہیں جہاں آج سے ۸۸ سال قبل تھیوڈور ہرتشل پہلی صیہونی کانفرنس کے افتتاح کے لئے تشریف لائے اور قیام اسرائیل کی پہلی

اینٹ نصب کر گئے۔ ہم بھی آج مل کر خداوند کو راضی کرنے کے لئے دعا کرتے ہیں اور اسرائیل کے ساتھ' اسرائیل کے ملک کے ساتھ' اسرائیل کے عقائد کے ساتھ اور مملکت اسرائیل کے ساتھ' اپنے باہمی رابطے کی ابتداء کا بھی اعلان کرتے ہیں۔ آج کا دن ہمیں سخت جانفشانی کے بعد دیکھنا نصیب ہوا ہے اور یاد رکھیں کہ جن کینہ پرور قوتوں نے یہودیوں پر ظلم ڈھایا تھا وہ پہلے کی طرح آج بھی موجود ہیں۔ یہ وہ قوتیں ہیں جو تباہی لانا چاہتی ہیں"۔ یہودیت سے کینہ رکھنے والی اور ان کی تباہی کی خواہاں قوتوں سے ظاہر ہے ہم مسلمان مراد ہیں۔

"اور ہم عیسائی بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ظلم و جور کی وہ سیاہ راتیں جو یہودیوں نے کاٹیں ان دنوں میں کلیسا نے بھی یہودیوں سے کچھ اچھا برتاؤ نہیں کیا تھا۔ آج ہم یورپ میں اس لئے جمع ہوئے ہیں تاکہ اسرائیل کو اپنی حمایت کا یقین دلائیں اور قیام اسرائیل کی جو تجویز اس شہر بال میں پہلی مرتبہ پیش کی گئی تھی اس پر عمل پیرا ہونے کا عزم کریں اور ہم آگاہ کئے دیتے ہیں کہ آئندہ کسی قوت کے لئے یہودیوں پر ظلم کرنا ممکن نہیں رہا۔ ہم اسرائیل اور اس کے باسیوں کو ان کامیابیوں پر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جو انہوں نے انتہائی قلیل مدّت یعنی صرف چار عشروں میں حاصل کیں۔ ہماری شدید خواہش ہے کہ آپ آبرومند ہوں' اپنے آپ کو مصائب و آفات سے بچانے کے لئے خدائی ضابطے کو پیش نظر رکھیں۔ آپ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہر طرح کی جستجو کریں اور خدا کا شکر کریں جس نے کتاب مقدس کے مصداق آپ کو دربدری سے جائے قرار میں لا کر بسایا۔ اور آخر میں ہم دنیا بھر کے یہودیوں سے اسرائیل کی طرف ہجرت کرنے کی اپیل کرتے ہیں اور تمام مسیحی برادری سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے یہودی بھائیوں کی حوصلہ افزائی اور مدد کریں اور اس خیر عظیم کی طرف لپکیں جو خداوند کی جانب سے ہے"۔

مذکورہ کانفرنس کے تمام شرکاء عیسائی تھے۔ آخر میں کانفرنس کے شرکاء نے ایک قرارداد پاس کی جس کے چیدہ چیدہ نکات میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ قرارداد کے مندرجات عیسائی مذہب سے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔

(۱) روس کے ساتھ مغربی تعلقات میں اس وقت تک کوئی نرمی نہ لائی جائے جب تک وہ اپنے ملک میں بسنے والے یہودیوں کی اسرائیل کی جانب ہجرت کرنے میں رکاوٹیں ڈالنے سے باز نہیں آجاتا۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ یورپ اس قرارداد پر پوری طرح عمل پیرا رہا۔

(۲) اسرائیل اور اس کے نمائندگان کی عالمی کانفرنسوں اور عالمی اداروں میں شمولیت کو یقینی بنایا جائے اور یورپ اور امریکہ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ ایسی کسی کانفرنس میں شمولیت نہ کریں جس میں اسرائیل مدعو نہ ہو۔

اس قرارداد سے ایک احتمال کا سدِّباب کرنا مقصود ہے اور وہ یہ کہ عرب ممالک کبھی کسی مشرقِ وسطیٰ کانفرنس میں اپنی عدم شمولیت کی دھمکی نہ دے سکیں' کیونکہ عرب ممالک مشرقِ وسطیٰ میں اپنی کثرت کی وجہ سے ایسا کر سکتے تھے اور ایسی صورت میں مشرقِ وسطیٰ سے متعلق کوئی کانفرنس بھی منعقد نہ ہو سکتی' لیکن اس قرارداد کی منظوری سے ان کے لئے اب یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ اسرائیل کی شمولیت پر اعتراض کر سکیں' کیونکہ ایسی صورت میں امریکہ اور یورپ بھی کانفرنس کا بائیکاٹ کردیں گے۔

(۳) تمام ممالک اسرائیل کو تسلیم کریں اور اس سے ہر سطح پر سفارتی تعلقات قائم کریں' خصوصاً حکومت ویٹیکن کو اس جانب اپنا حقیقی کردار نہ بھولنا چاہئے۔

کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ حکومت ویٹیکن کا ذکر خاص طور پر کیوں کیا گیا ہے؟ ویٹیکن کیتھولک کی نمائندہ حکومت اور بشپ اعظم کا پایہ تخت ہے۔ اگر وقت ہوتا تو میں قرارداد کے اس نکتے پر تفصیلاً عرض کرتا۔ ویٹیکن کیتھولک مذہب کی نمائندہ حکومت ہے' یہ فرقہ پروٹسٹنٹ فرقہ کے برخلاف تورات پر پختہ ایمان نہیں رکھتا۔ اگر مسلمان اس پہلو کو سمجھ لیں اور کمر باندھ کر اُٹھ کھڑے ہوں' جو کہ میری شدید خواہش ہے' تو دو ایسے عناصر ہیں جن پر محنت کر کے وہ عیسائی بنیاد پرستوں کے خلاف مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ پہلا عنصر کیتھولک فرقہ ہے اور دوسرا عنصر ان یہودیوں پر مشتمل ہے جو اسرائیل نواز یہودیوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ امریکہ کے کم از کم تیس ہزار یہودی اسرائیل کو نہیں مانتے جن میں دانشور' ادباء اور مفکرین شامل ہیں' اور اسرائیل پر

طعن و تشنیع کرتے رہتے ہیں' مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں سے نہ تو کوئی انہیں جانتا ہے اور نہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

④ کانفرنس یہودا اور سامرہ کے علاقوں پر اسرائیل کا جائز اور قانونی حق تسلیم کرتی ہے' نیز ان علاقوں پر مذاکرات کی کوئی گنجائش نہیں۔

⑤ ہم تمام ممالک سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ قدس کو اسرائیل کا جائز و قانونی دارالحکومت تسلیم کریں' کیونکہ اسرائیل کا دارالحکومت صرف یروشلم (قدس) ہے' دوسرا کوئی نہیں۔ لہٰذا تمام سفارتخانوں کو تل ابیب سے یروشلم لایا جائے۔

⑥ اسرائیل کے دوست ممالک ایسے ہر ملک کو اسلحہ کی فراہمی روک دیں جو اسرائیل کے خلاف جنگی اقدام کی صلاحیت رکھتا ہو خواہ وہ مصر ہی کیوں نہ ہو (مصر کیمپ ڈیوڈ معاہدے کا ایک فریق ہے اور اسرائیل کو تسلیم کرتا ہے)

⑦ تمام ممالک تنظیم آزادی فلسطین کا بائیکاٹ کریں —— عیسائی یا سر عرفات کی تنظیم کو اسلامی تنظیم کہتے ہیں جس سے وہ بت پرستوں کی تنظیم مراد لیتے ہیں —— اور اسے تشدد پسند تنظیم قرار دیا جائے۔ ہمارا یہ مطالبہ تورات کی اس آیت کے مصداق ہے جس میں خدا نے فرمایا: "جو اسرائیل کو مبارک کہیں ان کو میں برکت دوں گا اور جو اسرائیل پر لعنت کرے اس پر میں لعنت کروں گا"۔

⑧ یہودیوں سے عداوت کو پوری سامی نسل کے خلاف عداوت پر محمول کیا جائے۔

⑨ نام نہاد عیسائی معاشرے نے تہذیب کی آڑ میں یہودیوں کے ساتھ جس ظلم و ستم کا ارتکاب کیا تھا' خصوصاً دوسری جنگ عظیم میں یہودیوں کی جو خون ریزی کی گئی تھی' اس کا اعتراف کیا جائے۔

غور کیجئے کانفرنس کے عیسائی شرکاء ان تمام عیسائیوں کو مذہب سے خارج سمجھتے ہیں' جنہوں نے یہودیوں پر ظلم کیا تھا۔

⑩ ۱۹۴۸ء میں ہجرت کرنے والے تمام فلسطینیوں کو اس ملک کی شہریت دے دی جائے جس میں وہ رہائش پذیر ہیں' یعنی فلسطینی مہاجرین کا مسئلہ سرے سے باقی ہی نہ رہے' اور فلسطینیوں کو ان ملکوں کی مستقل سکونت دے دی جائے جہاں وہ عارضی طور پر

قیام پذیر ہیں۔

(۱۱) دس کروڑ ڈالر کے ابتدائی سرمائے سے ایک منافع بخش بین الاقوامی بینک قائم کیا جائے جس سے اسرائیل کی مستقل مالی امداد ہو سکے۔

اور آپ حیران ہوں گے کہ یہ خطیر رقم کسی تگ و دو کے بغیر اس کانفرنس کے ختم ہوتے ہی جمع ہو گئی۔ یہ رقم اس امداد کے علاوہ ہے جو بہت بڑی مقدار میں اسرائیل کو فراہم کی جاتی ہے۔ صرف ایک کانفرنس میں تجارتی بینک قائم کرنے کے لئے دس کروڑ ڈالر جمع ہوئے جس کا تمام منافع اسرائیل کے لئے مختص کیا گیا۔

(۱۲) عیسائی اور دیگر یورپی اقوام عرب تنظیموں کی اسرائیل کے ساتھ بائیکاٹ میں حمایت نہ کریں۔

عیسائی اور یورپی اقوام نے پہلے کب عملاً عرب تنظیموں کی حمایت کی تھی؟ تاہم مجھے یقین ہے کہ یہ مطالبہ پورا ہوا۔

(۱۳) دنیا بھر کے کلیساؤں کا جنیوا میں ایک اجلاس منعقد کیا جائے جس میں یہ اعتراف کیا جائے کہ تورات میں مذکورہ ارض موعود کا یہودیوں سے بہت گہرا تعلق ہے۔

یعنی اسرائیل ایک نظریاتی ملک ہے اور یہ ہمارا عقیدہ و ایمان ہے اور چرچ کو اس کا برملا اعلان کرنا چاہئے۔

(۱۴) کانفرنس کے شرکاء دعا میں شریک ہوں اور اس دن کا پورے اشتیاق سے انتظار کریں جب یروشلم انسانیت کی خدمت کے لئے مرکز بنے گا' تب ہی خدا کی سلطنت واقعاتی اور حقیقی روپ دھارے گی۔

عیسائی عقیدہ میں خدا کی سلطنت سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کی حکومت ہے جبکہ یہودی اس سے مسیحِ دجّال کی حکومت مراد لیتے ہیں۔

(جاری ہے)

مسلمان کا طرزِ حیات(۹)

علامہ ابوبکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

كتاب العقائد

دسواں باب

قیامت پر ایمان(۲)

(۲) جناب نبی کریم ﷺ نے بہت سی احادیث میں قیامت کی علامتیں اور قیامت کے حالات بتائے ہیں۔ بطورِ مثال چند احادیثِ مبارکہ ذکر کی جاتی ہیں :

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ يَالَيْتَنِىْ كُنْتُ مَكَانَهُ)) (۱)

"قیامت قائم نہیں ہوگی، حتیٰ کہ (یہ حال ہو جائے کہ) ایک شخص کسی قبر کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا : کاش اس (قبر والے) کی جگہ میں ہوتا"۔

اور فرمایا :

((اِنَّ السَّاعَةَ لَا تَكُوْنُ حَتّٰى تَكُوْنَ عَشْرُ آيَاتٍ : خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ ' وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ ' وَخَسْفٌ فِىْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ ' وَالدُّخَانُ ' وَالدَّجَّالُ ' وَدَابَّةُ الْاَرْضِ ' وَيَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ ' وَطُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا ' وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدْنَ تُرَحِّلُ النَّاسَ ' وَنُزُوْلُ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ)) (۲)

"قیامت نہیں آئے گی حتیٰ کہ دس نشانیاں ظاہر ہو جائیں : مشرق کی طرف زمین کا دھنسنا ' اور مغرب کی طرف زمین کا دھنسنا ' اور جزیرۂ عرب میں زمین کا دھنسنا '

اور دُھواں اور دجّال اور دابۃ الارض اور یاجوج وماجوج' اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' اور عدن کی گہرائی سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو لے چلے گی اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول۔"

ایک حدیث میں آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِيْ اُمَّتِيْ فَيَمْكُثُ اَرْبَعِيْنَ' فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ كَاَنَّهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَيَطْلُبُهُ فَيُهْلِكُهُ' ثُمَّ يَمْكُثُ النَّاسُ سَبْعَ سِنِيْنَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ' ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ رِيْحًا بَارِدَةً مِنْ قِبَلِ الشَّامِ فَلاَ يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ مَنْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ اَوْ اِيْمَانٍ اِلاَّ قَبَضَتْهُ' حَتّٰى لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ دَخَلَ فِيْ كَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ حَتّٰى تَقْبِضَهُ' فَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ فِيْ خِفَّةِ الطَّيْرِ وَاَحْلاَمِ السِّبَاعِ لاَ يَعْرِفُوْنَ مَعْرُوْفًا وَلاَ يُنْكِرُوْنَ مُنْكَرًا' فَيَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ فَيَقُوْلُ: اَلاَ تَسْتَجِيْبُوْنَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: مَاذَا تَاْمُرُنَا؟ فَيَاْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ الْاَوْثَانِ' وَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ دَارٌّ رِزْقُهُمْ' حَسَنٌ عَيْشُهُمْ' ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَلاَ يَسْمَعُهُ اَحَدٌ اِلاَّ اَصْغٰى لِيْتًا' وَرَفَعَ لِيْتًا' وَاَوَّلُ مَنْ يَسْمَعُهُ رَجُلٌ يَلُوْطُ حَوْضَ اِبِلِهٖ' قَالَ: فَيَصْعَقُ وَيَصْعَقُ النَّاسُ' ثُمَّ يُنْزِلُ مَطَرًا كَاَنَّهُ الطَّلُّ' فَتَنْبُتُ مِنْهُ اَجْسَادُ النَّاسِ' ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُوْنَ' ثُمَّ يُقَالُ: اَيُّهَا النَّاسُ' هَلُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ' وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ' ثُمَّ يُقَالُ: اَخْرِجُوا بَعْثَ النَّارِ' فَيُقَالُ مِنْ كَمْ؟ فَيُقَالُ: مِنْ كُلِّ اَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ' فَذٰلِكَ يَوْمَ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا' وَذٰلِكَ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ)) (۳)

"میری اُمّت میں دجّال ظاہر ہوگا اور چالیس (دن) رہے گا' پھر اللہ تعالیٰ جناب عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو (زمین پر) بھیجیں گے' (ان کا حلیہ ایسا ہے) گویا کہ وہ عروہ بن مسعود ہیں۔ وہ دجّال کا تعاقب کر کے اسے ہلاک کر دیں گے۔ پھر سب لوگ سات سال تک (اس طرح امن سے) رہیں گے کہ کوئی سے دو افراد میں بھی

دشمنی نہیں ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجیں گے (جس کا اثر یہ ہوگا) کہ روئے زمین پر اگر کسی کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی بھلائی یا ایمان ہو' اس کی وجہ سے وہ بھی فوت ہو جائے گا' حتیٰ کہ اگر کوئی پہاڑ کے اندر بھی (چھپا ہوا) ہوگا تو وہ اس تک پہنچ کر اسے بھی فوت کر لے گی' پھر صرف بُرے لوگ باقی رہ جائیں گے جو پرندوں کی طرح ہلکے اور درندوں کی ذہنیت والے ہوں گے' وہ لوگ نہ کسی نیکی کو نیکی سمجھیں گے نہ کسی برائی کو برائی سمجھیں گے۔ شیطان ان کے سامنے ظاہر ہو کر کہے گا: کیا تم لوگ (میرا حکم) قبول نہیں کرتے؟ وہ کہیں گے: آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ شیطان انہیں اوثان[ل] کی عبادت کا حکم دے گا۔ وہ اسی حال میں ہوں گے' (پھر بھی انہیں) وافر رزق مل رہا ہوگا' زندگی بہت اچھی گزر رہی ہوگی' پھر (اچانک وہ وقت آجائے گا جب) صور میں پھونک ماردی جائے گی۔ جو بھی اس آواز کو سنے گا' وہ پہلو پر پہلو بدلنے لگے گا (یعنی زمین پر گر کر تڑپنے لگے گا)۔ اس آواز کو سب سے پہلے ایک (ایسا) آدمی سنے گا جو اپنے اونٹوں کے (پانی پلانے کے) حوض کو لیپ رہا ہوگا' وہ بے ہوش ہو جائے گا اور سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہلکی بارش نازل کرے گا' اس سے لوگوں کے جسم اُگ آئیں گے' پھر دوبارہ صور میں پھونک ماردی جائے گی تو وہ اچانک (قبروں سے) اُٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔ پھر آواز آئے گی: اے لوگو! اپنے رب کے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ (پھر کہا جائے گا) انہیں روک لو! ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی' پھر کہا جائے گا: دوزخ کا حصہ الگ کر دو۔ کہا جائے گا: کس قدر؟ کہا جائے گا: ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ تو یہ وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ اور یہ وہ دن ہے جس دن پنڈلی کھولی جائے گی"۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلَى شِرَارِ النَّاسِ)) [۴]

"قیامت بدترین انسانوں پر ہی قائم ہوگی"۔

[ل] اللہ کے سوا جو چیز بھی پوجی جائے خواہ وہ پتھر ہو یا درخت' یا قبر یا کوئی اور چیز وہ "وثن" کہلاتی ہے۔

اور ارشادِ نبویؐ ہے :

((مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ اَرْبَعُوْنَ ' ثُمَّ يُنَزِّلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ ' وَلَيْسَ مِنَ الْاِنْسَانِ شَيْءٌ اِلَّا يَبْلٰى اِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ ' وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۵)

''صور کے دو دفعہ پھونکنے کے درمیان چالیس کا وقفہ ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرے گا تو انسان اس طرح اُگیں گے جس طرح سبزہ اُگتا ہے۔ اور انسان کی ہر چیز گل سڑ جاتی ہے سوائے ایک ہڈی کے' اور وہ عجب الذّنب ہے۔ قیامت کے دن اسی کے ساتھ مخلوق (کے اجزاء) کو جوڑ کر مکمل کرلیا جائے گا۔''

ایک بار آنحضرت ﷺ نے خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا :

((اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّكُمْ مَحْشُوْرُوْنَ اِلٰى رَبِّكُمْ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ' اَلَا وَاِنَّ اَوَّلَ الْخَلْقِ يُكْسٰى اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ' اَلَا وَاِنَّهُ سَيُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ اُمَّتِيْ فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ 'فَاَقُوْلُ : يَا رَبِّ اَصْحَابِيْ ' فَيَقُوْلُ : اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ)) (۶)

''لوگو! تم ننگے پاؤں' ننگے بدن' بے ختنہ اُٹھ کر اپنے ربّ کے حضور پیش ہو گے۔ مخلوق میں سب سے پہلے ابراہیم ؑ کو لباس پہنایا جائے گا۔ سنو! میری امت کے کچھ افراد لائے جائیں گے' انہیں بائیں طرف (جہنم میں) لے جایا جائے گا۔ میں کہوں گا: یا رب! یہ میرے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : آپ کو معلوم نہیں انہوں نے آپ کے بعد کیا کچھ کیا''۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے :

((لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْاَلَ عَنْ اَرْبَعٍ : عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ ' وَعَنْ عِلْمِهٖ مَا عَمِلَ بِهٖ ' وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ ' وَفِيْمَ اَنْفَقَهٗ ' وَعَنْ جَسَدِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ)) (۷)

''قیامت کے دن کسی بندے کے قدم جنبش نہیں کریں گے جب تک اس سے چار

چیزوں کے متعلق سوال نہ کر لیا جائے۔ اس کی عمر کے متعلق کہ کس چیز میں ختم کی؟ اس کے علم کے متعلق کہ اس کے مطابق کتنا عمل کیا؟ اس کے مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کن کاموں میں خرچ کیا؟ اور اس کے جسم کے متعلق کہ کس چیز میں استعمال کیا؟"

نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((حَوْضِیْ مَسِیْرَةُ شَهْرٍ' مَاؤُهُ اَبْیَضُ مِنَ اللَّبَنِ' وَرِیْحُهُ اَطْیَبُ مِنَ الْمِسْكِ' وَكِیْزَانُهُ كَنُجُوْمِ السَّمَاءِ' مَنْ شَرِبَ مِنْهُ لَا یَظْمَاُ اَبَدًا)) (۸)

"میرا حوض ایک مہینہ کی مسافت کے برابر (وسیع) ہے' اس کا پانی دودھ سے بڑھ کر سفید ہے' اس کی مہک کستوری سے بہتر ہے' اس کے جام آسمان کے ستاروں کی طرح (بے شمار) ہیں' جو اس میں سے پی لے گا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔"

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جہنم کو یاد کر کے رونے لگیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "آپ کیوں روتی ہیں؟" انہوں نے کہا: "مجھے جہنم یاد آگئی ہے تو میں رونے لگی۔ تو کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟" ارشاد ہوا:

((اَمَّا فِیْ ثَلَاثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا یَذْكُرُ اَحَدٌ اَحَدًا: عِنْدَ الْمِیْزَانِ حَتّٰی یَعْلَمَ اَیَخِفُّ مِیْزَانُهُ اَمْ یَثْقُلُ؟ وَعِنْدَ تَطَایُرِ الصُّحُفِ حَتّٰی یَعْلَمَ اَیْنَ یَقَعُ كِتَابُهُ فِیْ یَمِیْنِهٖ اَمْ فِیْ شِمَالِهٖ اَمْ وَرَاءَ ظَهْرِهٖ؟ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا وُضِعَ بَیْنَ ظَهْرَیْ جَهَنَّمَ حَتّٰی یَجُوْزَ)) (۹)

"تین مقام ایسے ہیں جہاں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا' ایک تو میزان کے پاس (کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا) جب تک اسے معلوم نہ ہو جائے کہ اس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہے یا بھاری؟ اور جب اعمال نامے اڑتے آئیں گے (تب بھی کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا) حتیٰ کہ معلوم ہو جائے کہ اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں پہنچتا ہے یا بائیں میں یا پیچھے سے پکڑایا جاتا ہے؟ اور جب جہنم پر پل صراط کو رکھ دیا جائے گا (تو ہر کسی کو اپنی اپنی پڑی ہوگی) حتیٰ کہ پار گزر جائے"۔

نیز ارشادِ نبوی ہے:

((لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ قَدْ دَعَاهَا لِاُمَّتِهٖ وَاِنِّيْ اخْتَبَاْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِاُمَّتِيْ)) (۱۰)

"ہر نبی کی ایک دعا (یقیناً قبول ہونے والی) تھی جو اس نے اپنی اُمت کے حق میں (دنیا ہی میں) مانگ لی' اور میں نے اپنی دعا کو سنبھال کر رکھا ہوا ہے کہ (قیامت کو) اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا"۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

((اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ' وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ' وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ وَلَا فَخْرَ' وَلِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ)) (۱۱)

"میں اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں[۱]۔ قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر پھٹے گی' اور کوئی فخر نہیں۔ سب سے پہلے میں شفاعت کروں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی' اور کوئی فخر نہیں۔ اور قیامت کے دن لواء الحمد (اللہ کی تعریف کا پرچم) میرے ہاتھ میں ہو گا' اور کوئی فخر نہیں۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَاَلَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ الْجَنَّةُ اَللّٰهُمَّ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ' وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ النَّارُ اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُ مِنَ النَّارِ)) (۱۲)

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین بار جنت کی درخواست کرتا ہے تو جنت خود کہتی ہے: اے اللہ! اسے جنت میں داخل فرمادے۔ اور جو کوئی تین بار جہنم سے محفوظ رہنے کی دعا کرتا ہے تو جہنم کہتی ہے: اے اللہ! اسے جہنم سے پناہ میں رکھ"۔

(۳) تمام انبیاء و رُسل اور ان کے علاوہ کروڑوں حکماء' علما اور صالحین قیامت پر ایمان رکھنے والے ہوئے ہیں' اور قیامت کے متعلق رسولوں کی بیان کردہ تمام باتوں کو دل کی گہرائیوں سے سچ مانتے رہے ہیں۔

---

۱ یعنی میں اظہارِ حقیقت کے لئے یہ باتیں بتا رہا ہوں' فخر کے طور پر نہیں۔

عقلی دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ مخلوق کو فنا کرنے کے بعد دوبارہ زندگی بخش دے۔ کیونکہ پہلے سے موجود کسی نمونہ کے بغیر مخلوق کو پیدا کر دینے کی نسبت اسے دوبارہ پیدا کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔

(۲) موت کے بعد زندگی اور جزاء و سزا پر ایمان رکھنے سے کسی خلافِ عقل امر کو تسلیم کرنا لازم نہیں آتا' کیونکہ عقل صرف ان امور کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے جو محال ہوں' مثلاً اجتماعِ ضدین یا انتفائے نقیضین۔ دوسری زندگی اور جزاء و سزا میں ایسی کوئی چیز نہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں واضح طور پر حکمت موجود ہوتی ہے' زندگی کے ہر میدان اور ہر مظہر میں یہ حکمت نمایاں ہے۔ اس کی روشنی میں یہ بات محال معلوم ہوتی ہے کہ انسانوں کو موت کے بعد زندہ نہ کیا جائے' اور ان کی دنیوی زندگی اس طرح ختم ہو جائے کہ انہیں نہ بھلائی کا انعام ملے اور نہ بُرائی کی سزا۔

(۴) اس دنیا کی زندگی میں نعمت و مصیبت اور راحت و مشقت دونوں موجود ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک دوسرے جہان میں دوسری زندگی پائی جائے جس میں عدل اور خیر اس دنیا سے کہیں بڑھ کر ہو اور جہاں کی راحت و مصیبت کے مقابلے میں اس دنیا کی راحت و مصیبت اتنی بے وقعت ہو جس طرح کاغذ کے پرزے پر بنی ہوئی ایک عظیم اور خوب صورت محل کی تصویر' یا ایک دلکش باغ کی تصویر اصل محل اور اصل باغ کے مقابلے میں بالکل بے حقیقت اور ہیچ ہوتی ہے۔

حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الفتن' باب لا تقوم الساعة حتی یغبط اهل القبور۔ صحیح مسلم' کتاب الفتن و اشراط الساعة' فصل فی تمنی الرجل الموت حین تکثر الفتن۔ مسند احمد' الفتح الربانی' کتاب الفتن و اشراط الساعة' باب فی الاحادیث المصدرة بقوله لا تقوم الساعة

(۲) صحیح مسلم' کتاب الفتن واشراط الساعة' باب من الآیات التی تکون قبل الساعة۔

(۳) صحیح مسلم' کتاب الفتن واشراط الساعة' باب فی خروج الدّجال ومکثه فی الارض ونزول عیسٰی وقتله ایاہ وذھاب اھل الخیر والایمان وبقاء اشرار الناس وعبادتھم الاوثان والنفخ فی الصور وبعث من فی القبور۔

(۴) صحیح مسلم' کتاب الفتن واشراط الساعة' باب قرب الساعة۔

(۵) صحیح مسلم' کتاب الفتن واشراط الساعة' باب ما بین النفختین۔

(۶) صحیح مسلم' کتاب الجنة' باب فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامة۔

(۷) جامع الترمذی' ابواب صفة القیامة والرقائق' باب فی القیامة' امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔

(۸) یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مختلف الفاظ سے آئی ہے۔ ابنِ ماجہ' حاکم اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری' کتاب الرقاق' باب فی الحوض اور صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب اثبات الحوض (الفاظ کے معمولی فرق سے مروی ہے)

(۹) سنن ابی داؤد' کتاب السنة' باب ذکر المیزان (الفاظ کے معمولی فرق سے مروی ہے) اس کی سند حسن ہے۔

(۱۰) صحیح البخاری' کتاب التوحید' باب فی المشیئه والارادة' صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب اثبات الشفاعة۔

(۱۱) یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

(۱۲) جامع الترمذی' کتاب صفة الجنة' باب ما جاء فی صفة انھار الجنة۔ سنن ابن ماجه' کتاب الزھد' باب صفة الجنة۔ سنن النسائی' کتاب الاستعاذة' باب الاستعاذة من حر النار۔ ابن الحبان' (کتاب الرقاق' باب الاستعاذة من الاحسان فی ترتیب صحیح ابن الحبان) المستدرك للحاکم' کتاب الدعاء' باب التعوذ من الاربع۔ امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

"مسئلہ کشمیر کے بارے میں آپ کی رائے بہت صائب ہے"

یوپی (بھارت) سے مولانا ذکاء اللہ ندوی کا مکتوب

مفکر اسلام حضرت مولانا دامت برکاتہم

سلام مسنون! اللہ آپ کی حفاظت فرمائے' آمین

آپ کے مفکرانہ' مدبرانہ' مفسرانہ' مؤرخانہ اور محدثانہ انداز میں اخلاص و خدمت دین کے جذبے سے سرشار نیز غیر جذباتی' سنجیدہ اور علمی و فکری گہرائی سے بھرپور خطابات' مضامین و تبصرے اس قدر معیاری' معلوماتی اور دلچسپ ہوتے ہیں کہ "میثاق" کے ہر نئے شمارے کے دیدار کے لئے الانتظار اشد من الموت (انتظار کرنا موت سے بھی زیادہ سخت ہے) کا عالم ہوتا ہے۔

میثاق کی کشش کا یہ عالم ہے کہ میں بار بار ڈاکیہ سے پوچھتا رہتا ہوں۔ ڈاک کی خرابی کی وجہ سے خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں کسی شمارے سے محروم نہ رہ جاؤں' عام طور پر انگریزی کی ۱۲ تاریخ تک پہنچ جاتا ہے لیکن اپریل کا شمارہ بروقت موصول نہ ہونے سے عجیب بے چینی کی کیفیت تھی۔ اضطرابی کیفیت کا اندازہ اسی سے لگا سکتے ہیں کہ مسلسل پانچ ایام سے اس امید میں پوسٹ آفس کا چکر لگا رہا ہوں کہ "اب آیا کہ تب آیا" آج جب ۲۱/ اپریل کو پوسٹ آفس پہنچا تو آج کی ڈاک سے "میثاق" آچکا تھا' لفافے کو لیا اور گھر و مدرسہ کے جھمیلوں سے دور فوراً مسجد کا رخ کیا۔ "بھارت کے ساتھ صلح حدیبیہ طرز کی مفاہمت' عرض احوال' مولانا ابوالحسن علی ندوی چند یادیں" مذکورہ مضامین کا مکمل مطالعہ کرنے کے بعد ہی مسجد سے اٹھا۔

آپ کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ مسئلہ کشمیر پر مفاہمت ہونی چاہئے۔ مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں جو موقف آپ کا ہے اور جس کی تائید جناب سید شہاب الدین صاحب نے بھی کی ہے' بالکل اسی رائے کا اظہار بھارت کے مشہور سیکولر صحافی خشونت سنگھ نے بھی اپنے ایک حالیہ مضمون میں کیا ہے' میری رائے میں اسی فارمولے کے مطابق مسئلہ کشمیر حل کر لینا چاہئے' اس سلسلے میں دونوں ممالک کے مفکر و مثقف طبقہ کو ماحول تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

آپ نے مضمون میں اپنی کتاب "استحکامِ پاکستان" اور "خطباتِ خلافت" کے مطالعہ کا اشارہ فرمایا ہے' دونوں موضوعات پر میری دلچسپی اور آپ کے نفیس طرز تحریر کے باعث مطالعہ کا شدید

خواہش مند ہوں، لیکن مذکورہ کتابیں بھارت میں دستیاب نہیں ہیں، عنایت فرما دیں تو کرم ہو گا' ویسے بھی نظریۂ پاکستان کے ہمدرد پاکستانیوں کو معیاری و سنجیدہ کتب' رسائل اور اخبارات بھارت میں فراہم کرنا واجب ہے' تاکہ پاکستان کی مسخ شدہ تصویر کی بجائے صحیح صورتِ حال سے واقفیت ہو سکے' کیونکہ یہاں کے الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا میں پاکستان کی ایسی گھٹیا' بھیانک اور انتہائی گھناؤنی تصویر پیش کی جاتی ہے جس سے صرف یہی اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان دنیا کا "انتہائی نالائق" ملک اور وہاں کا معاشرہ "انتہائی بدترین" معاشرہ ہے۔ اس گھٹیا پروپیگنڈے سے بھارتی مسلمان بھی متاثر ہو رہے ہیں۔

یہ خط تحریر ہی کر رہا تھا کہ ہم بھارتی مسلمانوں کو شرمندہ کر دینے والی یہ تکلیف دہ خبر آئی کہ ماہِ محرم میں پندرہ افراد کو مسجد میں گولیوں سے بھون دیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ پاکستان کے مسلک پرست "ملا" فرقہ وارانہ قتل عام پر خوشی سے جھوم اُٹھتے ہوں' لیکن ہم بھارتی مسلمانوں کا سر ندامت سے جھک جاتا ہے' خبر سننے اور پڑھنے کو طبیعت نہیں چاہتی ہے۔ بھارتی اخبارات خوب مزے لے لے کر موٹے حروف اور سرخیوں کے ساتھ شائع کرتے ہیں' ہم جب عام محفلوں میں اپنے ہندو دوستوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس قسم کی کوئی خبر آتی ہے تو ہم ان کو یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں' گویا وہ خبر ہم نے سنی ہی نہیں' لیکن وہ بھی بڑے شوخ ہوتے ہیں' ہماری توجہ ایسی خبر کی جانب مبذول کراتے ہیں اور ہم شرم سے ڈوبتے چلے جاتے ہیں' ہندو بنیا خوب مزے لے لے کر بیان کرتا اور سناتا ہے' اور ہم ندامت کے باعث سر اوپر نہیں اٹھا سکتے۔ شاید مسلم اکثریت والے پاکستان میں نسلی' لسانی' سیاسی اور مسلکی ہلاکت و تشدد پر انتہائی تشویش و بے چینی کا اظہار نہ کیا جاتا ہو' کیونکہ یہاں سب اپنے ہیں' باہم سر پھوڑنے میں احساس کم ہوتا ہے' لیکن ہماری سوچ یہ ہے کہ ہم مظلوم ہیں' بے سہارا اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں' مگر "تم خوش رہو' آباد رہو" ہم پاکستان کو ایسے ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ کاش اسلامیانِ پاکستان بھی اس بات کو سمجھتے۔ تمام احباب کو سلام مسنون عرض ہے۔

والسلام

ذکاءاللہ ندوی

بسکوہر بازار' سدھارتھ نگر

یوپی' بھارت ۲۷۲۱۹۲

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن ۔ ۔ ۔ ۔

واجب الاحترام کرم فرمائے من حضرت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' امیر تنظیم اسلامی
السلام علیکم و رحمتہ اللہ و بر کاتہ

آپ کی عنایت سے مجھے آپ کی گرانقدر کتاب روزنامہ Express کی معرفت موصول ہو گئی : "پاکستان ــــــ ایک فیصلہ کن دوراہے پر"

میں نے سوچا مطالعہ کرلوں تو رسید بھی دوں' عریضہ بھی ارسال کروں۔ بات یہ ہے کہ یہ آج کا مسئلہ نہیں ہے' ۵۲ سال سے ہم اس کانٹوں بھری راہ پر کھڑے ہیں اور گوناگوں مسائل نے اب اسے دلدل بنادیا ہے' کیسے نکلیں گے' کب نکلیں گے' اللہ رب العالمین بہتر جانتا ہے۔

آپ کی تحریر اور خطاب میں مشکلات اور مسائل کے نکات کی نشاندہی واضح ہے' لیکن آپ نے عوامل اور مزاحمتی فضا کا جو تجزیہ کیا ہے وہ چشم کشا ہے اور سلیم الطبع حلقوں کے لئے نافع بھی ہے اور فکر و فہم کی روشنی کی ایک کرن بھی۔

ناچیز تھوڑا سا باخبر ہے اور کچھ حد تک عینی شاہد بھی۔ جو کیفیت بڑی حوصلہ شکن اور روح کو مجروح کرنے والی ہے وہ بد قسمتی سے اداروں' جماعتوں' تنظیموں اور دینی مزاج رکھنے والوں کی ترجیحات میں تضاد' بے اعتمادی اور ناانصافی ختم کرنے میں ناکامی ہے۔

انقلابِ اسلامی کی کامیابی اور خلافت راشدہ کے طرز کے نظامِ حکومت کے بلاشبہ اب پہلے سے زیادہ لوگ خواہش مند ہیں۔ یہی آپ کی تنظیم کا نصب العین ہے۔ میں بہ صمیم قلب دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں کو شایانِ شان کامیابی کے لئے ضرور منتخب کرے۔ کہنے والے تو بہت ہیں' آپ کر دکھائیں' ۱۰۰فیصد کر دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی' ایمانی استقامت اور معاونت آپ کے شاملِ حال رہے۔ آمین اللّٰھم آمین

محترم ڈاکٹر صاحب! علماء' اہل دانش اور "تنظیم ساز ماہرین" میں آپ کی بلند پایہ اور ثابت قدم شخصیت اہل فکر و نظر میں ایسی ہے کہ ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ!

"ایکسپریس" میں بھی آپ کا سلسلۂ مضامین مختصر ہونے پر بھی اچھا لگ رہا ہے۔

ہمیشہ سے آپ کا خیر اندیش

ناچیز اور خطاوار

اقبال احمد صدیقی

زندگی اور موت کا مسئلہ

——تحریر : حافظ عاکف سعید——

گزشتہ ہفتے اقوام متحدہ کے ملینیم اجلاس میں شرکت کے بعد نیویارک سے وطن واپسی پر چیف ایگزیکٹو پاکستان جنرل پرویز مشرف نے پاکستان کی سرزمین پر جو پہلی پریس کانفرنس منعقد کی اس کے آخر میں صحافیوں کی جانب سے جو اہم سوالات کئے گئے ان میں ایک سوال غربت کے خاتمہ سے متعلق بھی تھا۔ مذکورہ صحافی نے جس کے نام سے ہم واقف نہیں' یہ سوال کر کے جناب چیف ایگزیکٹو کو مدافعانہ انداز اختیار کرنے پر مجبور کر دیا کہ جناب پاکستان میں بسنے والے عام آدمی کو اس سے کوئی سرو کار نہیں کہ ہم نے اقوام متحدہ کے اس تاریخی اجلاس میں سفارتی سطح پر کون کونسی کامیابیاں حاصل کیں اور عالمی سطح پر مسئلہ کشمیر کو زندہ کرنے کا کون سا قابل فخر کارنامہ انجام دیا' عام آدمی کا اصل مسئلہ دو وقت کی روٹی اور حصولِ روزگار کا ہے' مسلسل بڑھتی ہوئی بے لگام مہنگائی نے اس کے ہوش اڑا دیئے ہیں اور اس کے نزدیک حکومت کی کارکردگی کا واحد معیار یہ ہے کہ وہ گرانی کے جن کو قابو کرنے' بے روزگاری کے مسئلہ کو مثبت طور پر حل کرنے اور عام آدمی کو ریلیف دینے میں کس حد تک کامیاب ہوئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس میدان میں آپ کی حکومت کی کارکردگی کیا ہے؟ —— چیف ایگزیکٹو جو اس سے قبل ہر سوال کا جواب پر اعتماد انداز میں برجستہ طور پر دے رہے تھے اس سوال کے جواب میں پہلے تو گڑبڑائے پھر انہوں نے خود کو سنبھالا اور چند انتہائی واجبی سے اقدامات کا ذکر کرنے کے بعد جن میں غربت کے خاتمے کے لئے ایک خطیر رقم آئندہ سال کے لئے مختص کرنے کے علاوہ عوام کو مہیا کئے جانے والے تیس ہزار روپے فی کس سودی قرضے کا بطور خاص ذکر تھا' صاف لفظوں میں اپنی بے بسی کا اعتراف کیا کہ ''اس کے علاوہ اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں!'' کچھ اسی قسم کی بات ہمارے چیف ایگزیکٹو کی جانب سے جن کی صاف گوئی کی داد دینا پڑتی ہے' چند ماہ قبل ایک پریس کانفرنس میں سامنے آئی تھی جب انہوں نے پوری قوم کے سامنے یہ اعتراف کیا تھا کہ ہماری معیشت کیسے سدھر سکتی ہے حال یہ ہے کہ ہمیں قرضوں کے حصول کے لئے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک والوں کے ''گوڈے اور گٹے'' (گھٹنے اور پاؤں) پکڑنے پڑتے ہیں۔

سب لوگ جانتے ہیں اور خود چیف ایگزیکٹو بھی اس امر سے بے خبر نہیں کہ مہنگائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے' بے روزگاری کے عفریت پر قابو پانے اور عوام کو ریلیف دینے میں موجودہ حکومت بھی سابقہ حکومت کی طرح قطعی ناکام ثابت ہوئی ہے اور اس ضمن میں حکومت کی کوششیں خواہ کتنی ہی مخلصانہ کیوں نہ ہوں' تاحال بے نتیجہ ثابت ہوئی ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ حالات مسلسل بد سے بدتر ہو رہے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ عالمی بینک کی جاری کردہ ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق پچھلے چند برسوں کے دوران ہمارے ملک میں غربت کی شرح یکلخت دگنی ہو گئی ہے۔ ہمارے ملک کی آبادی میں ۱۹۹۰ء تک اگر ۱۷ فیصد افراد پاورٹی لائن (غربت کی لکیر) سے نیچے زندگی گزار رہے تھے تو آج یہ تعداد ۳۴ فیصد سے متجاوز ہو چکی ہے جس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ملک کا متوسط طبقہ تیزی کے ساتھ اس غریب اور بدحال طبقے میں شامل ہو رہا ہے جس کے افراد زندگی گزارنے کی کمترین ضروریات سے بھی محروم ہیں اور فقر کی آخری حدوں کو چھو رہے ہیں۔ جی ہاں فقر کی وہی آخری حد جس کے بارے میں آنحضور ﷺ نے ہمیں پیشگی وارننگ دے دی تھی کہ "کاد الفقر ان یکون کفرا" (فقر انسان کو کفر کے دہانے تک پہنچا دیتا ہے) المیہ یہ ہے کہ اس تشویشناک صورتحال کے خاتمے کی بظاہر دور دور کوئی صورت نظر نہیں آتی بلکہ صحیح تر الفاظ میں غربت اور فقر کا خاتمہ تو دور کی بات ہے اس کی بڑھتی ہوئی شرح کو روکنے کا بھی کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ بالکل ظاہر و باہر ہے کہ ہم خود سودی قرضوں کے اس منحوس گرداب (Vicious Circle) سے نکلنے کے لئے تیار نہیں ہیں جو ہماری معاشی بدحالی اور معیشت کی تباہی کا اصل سبب ہے۔ بقول شاعر ؎

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

ہماری اسی سادہ لوحی کا مظہر ہے کہ چند روز قبل شائع ہونے والی اخباری اطلاعات کے مطابق ہماری حکومت نے آئی ایم ایف کے تازہ مطالبات کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ اس لئے کہ نواز شریف ہوں' یا بے نظیر ہوں یا پرویز مشرف' سب نے طے کر رکھا ہے کہ سودی معیشت کو ہر حال میں جاری رکھنا ہے اور ڈیفالٹ قرار دیئے جانے کے خدشہ کے تحت سودی اقساط ادا کرنے کی خاطر بہرصورت مزید سودی قرضے حاصل کرنے ہیں خواہ اس کے لئے عوام کا گلا گھونٹنا پڑے۔ گویا اللہ اور رسول کے خلاف جنگ جاری رکھنا ہمیں قبول ہے لیکن ان خون آشام عالمی مالیاتی استعماری اداروں کی ناراضگی ہمیں منظور نہیں! کون نہیں جانتا کہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک نام کے یہ

ادارے دراصل عالمی مالیاتی استعمار کے آلہ کار ہیں' ان کے مطالبات کو ماننے کا سیدھا سا مطلب ٹیکسوں کے ناروا بوجھ اور مہنگائی میں مزید اضافے کے ذریعے معاشی طور پر بدحال اور مفلوج عوام کا خون مزید کشید کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ـــــ حالات کا شعور رکھنے والے باخبر لوگ حیران و پریشان ہیں کہ تباہی و بربادی کی آخری منزل تک پہنچانے والا یہ سفر کبھی ختم ہو گا بھی یا نہیں!!!

یہ بات ہم بلا خوف و تردید' پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اہل پاکستان کے چار و ناچار خوفناک صورتحال سے نکلنے کا اس ایک راستے کے سوا اور کوئی راستہ باقی نہیں رہا کہ "کافر نتوانی شد' ناچار مسلمان شو" کے مصداق ہم اللہ اور اور اس کے رسول کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے پوری جرأت کے ساتھ دو ٹوک انداز میں اندرون ملک بھی سود کے خاتمہ کا اعلان کریں اور بیرونی سود کی ادائیگی سے بھی اسی بنیاد پر انکار کر دیں کہ ہم نے بحیثیت قوم اپنا قبلہ درست کر لیا ہے اور ہمارا دین ہمیں سودی لین دین کی اجازت نہیں دیتا۔ تمہارے قرضے یقیناً ہمارے ذمے ہیں لیکن وہ ہم اپنی سہولت سے ادا کریں گے۔ اس کے نتیجے میں عالمی سطح پر ہمیں پابندیوں (sanctions) کا سامنا تو یقیناً کرنا پڑے گا اور بعض حوالوں سے ہم پر سختی کا ایک دور ضرور آئے گا لیکن "جسے سمجھتے ہیں آزمائش وہی تو بگڑی بنا رہی ہے" کے مصداق اسی راستے سے ہم اپنے وسائل کو صحیح طور پر بروئے کار لانے اور معاشی طور پر اپنے پاؤں پہ کھڑے ہونے کے قابل ہو سکیں گے اور چند سالوں کے اندر اندر ہمارا ملک اللہ کی رحمت و نصرت کے طفیل معاشی ترقی و استحکام کی شاہراہ پر گامزن ہو جائے گا۔ بصورت دیگر ہماری معیشت پر نزع کا عالم تو طاری ہے ہی' بہت جلد اس کی موت ہی واقع ہو جائے گی۔ ہم نے شاید بحیثیت قوم شعوری طور پر یہ طے کر لیا ہے کہ ڈیفالٹ ہونے کا داغ ہمیں منظور نہیں خواہ ہماری معاشی موت واقع ہو جائے۔ ہماری مثال اس کینسر کے مریض کی سی ہے جو تیزی سے موت کے منہ میں جا رہا ہو لیکن اس کے تیر بہدف علاج کیموتھراپی سے اس بنیاد پر انکار کر دے کہ اس طریق علاج میں سر کے بالوں کے اڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ سود کا خاتمہ محض ہمارا دینی مسئلہ نہیں رہا' یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے!○○

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ' کے گیارہ خطبات پر مشتمل کتاب

منہجِ انقلابِ نبویؐ

صفحات : 376 قیمت مجلد : 160 روپے ' غیر مجلد : 140 روپے

KHALID TRADERS

NATIONAL DISTRIBUTORS NTN BEARINGS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

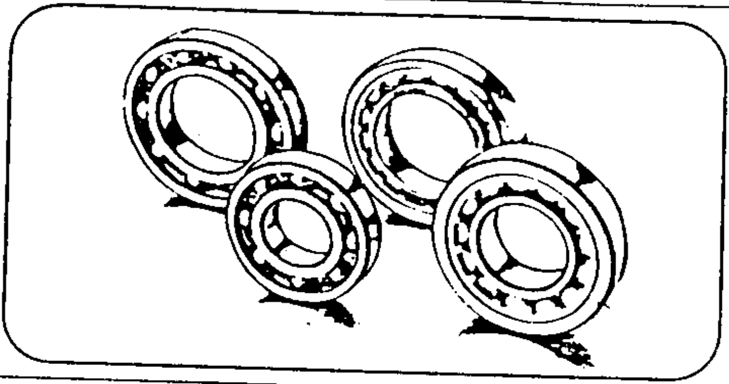

PLEASE CONTACT

Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.
G.P.O. Box #. 1178 ***Phones :*** 7732952 - 7730595 ***Fax :*** 7734776 - 7735883
E-mail : ktntn@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : ***SIND BEARING AGENCY,*** 64 A-65 Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones: 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING